احکام شرعیہ پر مشتمل فتاویٰ جات کا علمی ذخیرہ



فتاویٰ بھکھی شریف

افادات

غوث زماں، حضرت حافظ الحدیث والقرآن، مفتی اعظم پاکستان

حضرت پیر سید محمد جلال الدین مشہدی قدس سرہ العزیز

حضرتِ اعلیٰ درگاہِ مقدسہ جلالیہ بھکھی شریف

حسب الارشاد

جانشین حضرت حافظ الحدیث، جگر گوشۂ قیوم زماں حضرت ثانی صاحب

حضرت علامہ پیر الحاج مفتی سید محمد نوید الحسن شاہ مشہدی

سجادہ نشین درگاہِ مقدسہ بھکھی شریف
ضلع منڈی بہاؤالدین

رشحاتِ قلم

تلمیذ حضرت حافظ الحدیث، بدر الفقہاء

مفتی اصغر علی رضوی جلالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تخریج

پروفیسر حافظ محمد اسلم جلالی

ناشر
جلالیہ پبلی کیشنز

جلد اول

فتاویٰ بھکھی شریف

افادات

غوث زماں حضرت حافظ الحدیث والقرآن، مفتی اعظم پاکستان

حضرت پیر سید محمد جلال الدین مشہدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اعلیٰ درگاہ مقدسہ جلالیہ بھکھی شریف

جانشین حضرت حافظ الحدیث جگر گوشہ قیوم زماں حضرت شاہ صاحب

حضرت علامہ پیر الحاج مفتی سید محمد نوید الحسن شاہ مشہدی

سجادہ نشین درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

ضلع منڈی بہاؤالدین

ترشحاتِ قلم

تلمیذ حضرت حافظ الحدیث بدر الفقہاء

مفتی اصغر علی رضوی جلالی رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر حافظ محمد اسلم جلالی

ناشر
جلالیہ پبلی کیشنز

نام کتاب	فتاوٰی بھکھی شریف جلد اول
رشحات قلم	بدر الفقہاء حضرت علامہ مفتی اصغر علی رضوی جلالی رحمۃ اللہ علیہ
تخریج	پروفیسر علامہ حافظ محمد اسلم جلالی
نظر ثانی	شیخ الحدیث پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اقبال جلالی
صفحات	416
تعداد	1100
ناشر	جلالیہ پبلی کیشنز

ملنے کے پتے:

انتساب

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو

شہزادہ اعلیٰ حضرت، امام الفقہاء، مفتی اعظم ھند حضرت علامہ ابوالبرکات

شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی رحمہ اللہ تعالی

جن سے حضرت حافظ الحدیث رحمہ اللہ تعالی نے فتوی نویسی کی خصوصی تربیت حاصل کی

اور حضرات مشائخ بھکھی شریف

مفتی اعظم پاکستان، غوث زماں، حافظ الحدیث والقرآن حضرت اعلیٰ علامہ

پیر سید محمد جلال الدین شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ

بانی مرکزی جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف و حضرت اعلیٰ درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

اور

جانشین حافظ الحدیث، قیوم زماں، استاذ العلماء، حضرت علامہ الحاج

پیر سید محمد مظہر قیوم شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ

سجادہ نشین اول درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

کی طرف منسوب کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عزو شرف

فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کے ہاتھ میں "فتاویٰ بھکھی شریف" کی پہلی جلد موجود ہے۔ جو کہ شرعی مسائل واحکام پر مشتمل ایک مستند فقہی ذخیرہ ہے۔ یہ کتاب مفتی اعظم پاکستان حافظ الحدیث والقرآن، جلال الملت والدین حضرت علامہ پیر سید محمد جلال الدین شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ، بانی مرکز اہلسنت جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ ودرگاہ مقدسہ جلالیہ بھکھی شریف، اور آپ کے شاگرد رشید بدر الفقہاء حضرت علامہ مفتی اصغر علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ پر مشتمل ہے۔



اس کی پہلی جلد کے شروع میں "حضرت حافظ الحدیث کی فقہی بصیرت کی ایک جھلک" کے عنوان سے آپ سے پوچھے گئے وہ سوالات وجوابات شائع کیے گئے ہیں جو مفسر قرآن، مفکر اسلام علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ مدظلہ ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان کی زیرادارت چھپنے والے ماہنامہ "سوئے منزل" راولپنڈی میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے۔ امانت کے تقاضوں کے پیش نظر انہیں بعینہٖ اسی طرح شائع کیا گیا ہے جس طرح وہ ماہانہ میں چھپے تھے۔

اس کے بعد حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ شروع ہوتے ہیں جو دو جلدوں پر مشتمل ہیں۔

جانشین حافظ الحدیث، جگر گوشہ قیوم زماں، قاسم فیضان سرہند و بریلی، سلطان المدرسین، علامہ پیر سید مفتی محمد نوید الحسن شاہ صاحب مشہدی زیب سجادہ آستانہ عالیہ بھکھی شریف نے ان فتاویٰ کی ترتیب و تخریج کا کام اس وقت میرے ذمہ لگایا جب کہ قیوم زماں، پیر طریقت، رہبر شریعت، استاذ العلماء، سیدی و مرشدی حضرت علامہ پیر سید محمد مظہر قیوم شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ بقید حیات تھے۔ اور حضرت بدر الفقہاء بھی مسند تدریس و افتاء کی رونق افزائی کر رہے تھے۔ اگر یہ کام ان کی حیات مبارکہ میں مکمل ہو جاتا تو یقیناً وہ بہت خوش ہوتے مگر ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے اس سے آگے پیچھے ہونا ناممکن ہوتا ہے اگرچہ ہمارے علم میں وہ مقررہ وقت نہ ہو۔



لیکن مجھے اس بات کا پورا پورا احساس و اعتراف ہے کہ تاخیر و تاجیل کا ظاہری سبب میری سستی و کوتاہی ہے، اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ یہ سراسر بندہ پروری ہے حضرت سجادہ نشین دامت برکاتہم العالیہ کی کہ انہوں نے اس قدر تاخیر کے باوجود ایک بار بھی مجھے ایسا نہیں فرمایا کہ اگر تجھ سے یہ کام نہیں ہوتا تو کسی اور کے ذمہ لگا دیتے ہیں یہ محض ان کی شفقت اور مہربانی ہے۔

میں ذاتی طور پر بہت خوشی اور سعادت محسوس کرتا ہوں کہ اس کتاب کی صورت میں جہاں فتویٰ کی خدمت کا موقعہ ملا ہے وہاں آستانہ عالیہ بھکھی شریف کی خدمت کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بدیہی چیز ہے کہ اس دوران مجھے

بار بار یہ فتاویٰ پڑھنے کا موقعہ ملا ہے جس سے بہت سی فقہی جزئیات اور فتاویٰ کے اصولوں سے آگاہی ہوئی اور فقہ و فتاویٰ کتب کی بینی کا موقعہ ملا اور مطالعہ کا شوق بڑھا ہے، مجھے قوی امید ہے کہ مسائل کا یہ مجموعہ فتاویٰ کی دنیا میں مفید اضافہ ثابت ہو گا۔

میں نے اس کی ترتیب و تبویب عام فقہ و فتاویٰ کی کتب کے مطابق رکھی ہے کہ عقائد سے شروع کر کے متفرق مسائل کے بیان پر ختم کیا ہے۔اس کی پہلی جلد میں مندرجہ ذیل کتب ہیں: کتاب العقائد، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الصدقہ و الزکوۃ، کتاب النکاح، جب کہ دوسری جلد کتاب الطلاق، کتاب البیوع، کتاب الوقف، کتاب الحدود، کتاب الفرائض ،اور متفرق مسائل پر مشتمل ہے۔



اور حتی المقدور دلائل و براہین کی نصوص و عبارات کی تخریج اصل کتب اور متون سے کرنے کی کوشش کی ہے، اور قارئین کی آسانی کے لیے اس میں موجود جملہ عربی و فارسی عبارات پر اعراب لگانے کا التزام بھی کیا ہے۔

اس کتاب کی کمپوزنگ، طباعت اور اشاعت کے جملہ مراحل میں جن حضرات نے میرے ساتھ تعاون کیا ہے ان کا تہ دل سے میں شکر گزار ہوں خصوصاً جانشین حافظ الحدیث، جگر گوشہ قیوم زماں، قاسم فیضان سرہند و بریلی، سلطان المدرسین، علامہ پیر سید مفتی محمد نوید الحسن شاہ صاحب مشہدی زیب سجادہ آستانہ عالیہ بھکھی شریف جنہوں نے اس پورے کام کی ہر مرحلہ پر مکمل سر پرستی بھی فرمائی اور اپنے دست مبارک سے

مفتی، مستفتی، شرائط مفتی، تاریخ فتوی اور عہد وار اہم مجموعہ ہائے فتاوی پر مشتمل جاندار تقریظ جلیل بھی لکھ دی جو یقیناً کتاب کی اہمیت میں ایک خاطر خواہ اضافہ ہے۔

اور علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اقبال جلالی جنہوں نے ہر دو شخصیات کے تعارف اور فتویٰ نویسی کے آداب واصول اور اہمیت وافادیت پر مشتمل تقدیم لکھی جس سے اس کتاب کی اہمیت دوچند ہوئی، اور ہر دو شخصیات کے فتوی نویسی کا اسلوب ذکر کیا جس سے فتاوی کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔



اور خطیب اہلسنت حضرت علامہ محمد نواز بشیر جلالی صاحب جنہوں نے طباعت و اشاعت کی ذمہ داری قبول کی اور اس کو بحسن وخوبی نبھایا۔

اور میں بہت ممنون ہوں عزت مآب محترم جناب ڈاکٹر حمزہ مصطفائی صاحب کا جنہوں نے محنت شاقہ سے ماہنامہ "سوئے منزل" کے وہ نسخے تلاش کر کے عنایت کئے جن میں حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات سلسلہ وار چھپتے رہے۔

اور کمپوزنگ کے عمل میں علامہ سید عاصم شاہ صاحب کاظمی جلالی فاضل ومدرس جامعہ اسلام آباد اور پروف ریڈنگ کے مرحلہ میں علامہ محمد نوید رضوی مدرس جامعہ اسلام آباد اور عزیزم حافظ رفاقت علی جلالی منتظم جامعہ اسلام آباد نے بہت تعاون کیا ہے، میری

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔

آمین۔

میں آخر میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس پورے کام میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ محض اللہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ہے اور اگر کوئی نقص رہ گیا ہے تو وہ یقینا محض میری کوتاہی اور غفلت کا نتیجہ ہے، اور قارئین سے گزارش ہے کہ دوران مطالعہ اگر کسی غلطی پر آگاہ ہوں تو اس کی ضرور نشاندہی کریں اور مطلع کر کے شکریہ کا موقعہ دیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کی جا سکے۔



(علامہ) حافظ محمد اسلم جلالی

(اسلام آباد)

یکے از خدام درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

باسمہ القیوم
تقریظ جلیل
از
جانشین حضرت حافظ الحدیث علامہ پیر سید مفتی محمد نوید الحسن شاہ مشہدی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھکھی شریف



انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے، اس لیے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے، اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق و جستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ و افتاء کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں، اس طور پر یہ دونوں چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آرہی ہیں، قرآن حکیم واحادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ:

"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (1)

ترجمہ: علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔

مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو احکام الٰہی بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں

---

1 - النحل:43

سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس تناظر میں سبھی رہنماء، مفتی اور سارے متبعین، مستفتی نظر آتے ہیں، لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی مفتی تک محدود ہے۔

فقہ وافتاء مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں البتہ افتاء فقہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے، علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں، "الفقيه: العالم الذين يشق الأحكام ويفتش عن حقائقها"۔



ترجمہ: فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا ہے اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کیلئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح، مرجوح اور مفتی بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔ حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہ "رد المحتار علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں: "المفتي هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد كالإمام علي وجه الحكاية فعرف أن ما يكون في زماننا من فتوي الموجودين ليس بفتوي بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي"

ترجمہ: مفتی تو مجتہد ہوتا ہے جو شخص مجتہد نہ ہو صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو وہ مفتی نہیں ہوتا، ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کردے۔اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے اس لئے لویس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے۔



المفتي: الذي يعطي الفتوي ويجيب كما ألقي عليه من المسائل المتعلقة بالشريعة.

ترجمہ: مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ نے رسالہ "اجلي الاعلام ان الفتوي مطلقا علي قول الامام" میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے تحریر کیا ہے:

"الرابعة: الفتوي حقيقية وعرفية":

فالحقيقة: هو الافتاء ان معرفة الدليل التفصيلي وأولئك الذين يقال لهم أصحاب الفتوي ويقال بهذا افتي الفقيه أبو جعفر والفقيه أبوالليث وأضرابهما رحمهم الله تعالي

والعرفية: اخبار العالم بأقوال الامام جاهلا عنها تقليدا له من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوي ابن نجيم والغزي والطوري والفتاوي الخيرية، وهلم تنزلاً زماناً ورتبة إلي الفتاوي الرضوية جعلها الله تعالي مرضية مرضية آمين.(1)

ترجمہ: چوتھا مقدمہ فتویٰ کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور عرفی، حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے یہی فتویٰ دیا فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابواللیث اور ان کے امثال نے۔اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتادے وہ دلیل کو نہ جانتا ہو محض تقلید کے طور پر ایسا کرے جیسے کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاوی طوری اور فتاوی خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانے میں فتاوی رضویہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنیوالا بنادے، آمین۔

فتاویٰ بکھی شریف

تاریخ فتاویٰ:

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعہ فتاوی حضرت مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں، یوں ہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے، عرب

1 -الفتاوی الرضویہ مترجم جلد 1 صفحہ 109

اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بناء پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حافظہ پر ہی زیادہ اعتماد کرتے تھے، اس لیے فقہاء صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاوی اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکے۔

اس ترقی یافتہ دور میں بھی سینکڑوں اصحاب فتاوی ایسے ملیں گے جنکے فتاوی محفوظ نہیں رہ پاتے اور اگر رہے بھی تو ان کی ترتیب اور اشاعت کی نوبت نہیں آتی پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاوی کی شرح بھی بڑھتی گئی، تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعہ فتاوی حضرت فقیہ ابو اللیث ثمر قندی کا ہے۔''کتاب النوازل''۔ تیسری صدی سے لے کر دسویں صدی تک کے چند مشہور مجموعہ فتاوی کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ سرسری طور پر آگاہی ہو سکے۔



1 فتاوی ابی بکر

2 فتاوی ابی القاسم

3 فتاوی ابن قطان

4 فتاوی ابی اللیث

5 فتاوی ابن الحداد

6 فتاوی ابن الصباغ

7 فتاوی اسبیجابی

8 فتاویٰ خواہر زادہ

9 فتاویٰ خجندی

10 فتاویٰ تمرتاشی

11 فتاویٰ حسام الدین

12 فتاویٰ سراجیہ

13 فتاویٰ ظہیریہ



14 فتاویٰ قاضی خان

15 فتاویٰ کبریٰ

16 فتاویٰ صغریٰ

17 فتاویٰ ابن رزین

18 فتاویٰ صوفیہ

19 فتاویٰ الولوالجیہ

20 فتاویٰ ابن عقیل

21 فتاویٰ زرکشی

22 فتاویٰ سبکی

23 فتاویٰ قاری الہدایہ

24 فتاویٰ حمادیہ

25 فتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ

26 فتاویٰ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ

27 فتاویٰ جامع البرکات

28 فتاویٰ نقشبندیہ

29 فتاویٰ ابن شلبی

30 فتاویٰ ابی السعود

31 فتاویٰ زینیہ

یہ اسماء مجموعہ ہائے فتاویٰ کشف الظنون سے منتخب کیے گئے ہیں۔



برصغیر میں فتاویٰ:

برصغیر کے فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی برصغیر میں اسلام کی، برصغیر کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد عثمانی میں سرفراز ہو چکی تھی، جب سلاطین اسلام نے قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا خود سلاطین اسلام دانش ور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے اس ضمن میں:

سلطان محمود غزنوی

ظہیر الدین محمد بابر

سلطان عالمگیر اورنگزیب

کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

سلطان محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب ''التفرید فی الفروع'' کے نام سے تصنیف کی۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاوی کے مجموعے مرتب کرائے، اس قسم میں فتاوی عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں 2 لاکھ روپے صرف ہوئے، یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرا برابر اثر انداز نہ ہو سکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔



فتاوی عالمگیری کے علاوہ:

فتاوی فیروز شاہی

فتاوی ابراہیم شاہی

فتاوی اکبر شاہی

فتاوی عادل شاہی

فتاوی تاتار خانی

جیسے مجموعہ ہائے فتاوی بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔جب سلاطین اسلام کے دور کا خاتمہ ہوا اور انگریزی دور کا آغاز ہوا تو عوام الناس نے انفرادی طور پر مفتیان کرام سے مسائل میں رجوع کرنا شروع کیا تو اس دور میں اردو فتاوی کے قیمتی

مجموعے بھی منظر عام پہ آنے لگے، اس سے پہلے مجموعہ ہائے فتاویٰ عربی اور فارسی زبان میں تھے، ان میں چند مجموعہ ہائے فتاویٰ کے اسماء یہ ہیں۔

1 العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (1310ھ) امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ

2 فتاوی امجدیہ علامہ مفتی محمد امجد علی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

3 فتاویٰ مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

4 فتاوی قیام الملت والدین عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

5 فتاوی نعیمیہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

6 فتاوی نوریہ مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ

7 فتاویٰ مہریہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

8 وقار الفتاوی مفتی وقار الدین قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

9 فتاوی فیض الرسول مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ۔



منصب افتاء کے تقاضے:

مفتی کا منصب اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جس کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے دیکھتے ہیں وہ خصائص کیا ہیں؟ ، کسی مفتی کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہیے، ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس

تینوں کے تقاضے پورے کرتا ہو، وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جانثار امتی، دیانتدار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، درمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت و تہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھر پور ایک اچھا انسان ہو، جو مفتی ان اوصاف سے آراستہ ہو گا وہ ہی علم اور دین کے تقاضے پورے کر سکے گا، علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئے حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے 28 خصوصیات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے اہم کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں:



1- مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصا کتاب وسنت، تفسیر و حدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہیئے تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے آئمہ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نت نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

2- مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو تاکہ اس ناقل مفتی کو اقوال آئمہ

کی نقل و روایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ ہی وہ اس راستے میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتاء کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

3- مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تاکہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جبکہ قول مرجوح پر فتوی دینا باطل ہے

4- مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔



1- متون 2- شروح 3- فتاویٰ، ہر ایک درجہ میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں، مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہیئے کہ کونسی کتاب اس جگہ پر آتی ہے وہ معتمد ہے کہ نہیں۔

5- معتمد اور متداول کتب کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہیے اور ائمہ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتاء کی دفعات کی پابندی کرنا چاہیئے یعنی روایت، درایت، ترجیح اور تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل کریں۔

6- مفتی کے لیے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ سخت فساد کا اندیشہ ہے، فقہاء میں مشہور ہے ''من لم یعرف أهل زمانه فهو جاهل" ترجمہ جو حالات زمانہ سے واقف نہیں وہ نادان ہے۔

7- فقہی اصطلاحات مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے، بعض

ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

8- حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتوی دینا جائز نہیں، حنفی مطلقا امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا، اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا، اسی مستحکم اتباع کے سبب اسے حنفی کہتے ہیں۔



9- اصحاب ترجیح فقہاء نے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتوی دینا ہر گز جائز نہیں، اگر کسی مسئلے میں مختلف اقوال مصححہ پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ مؤکد اور راجح ہو اس پر فتوی دیا جائے، اس ترجیح کے لازم العمل اسباب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ عرض کرتا ہوں:

1) تصحیح کا زیادہ مؤکد ہونا

2) تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا

3) تصحیح کا شروح اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا

4) فقہاء نے اس تصحیح کی علت بیان کی ہو اور دوسرے کی علت و دلیل بیان نہ کی ہو

5) تصحیح کا استحسان ہونا

6) ظاہر الروایۃ ہونا

7) وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا

8) قول اکثر ہونا

9) اہل زمانہ کیلیے زیادہ سازگار اور موافق ہونا

10) وجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا

11) احوط ہونا

12) ارفق ہونا

13) معمول بہ ہونا

14) مذہب امام ہونا



10- مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے، جواب معلوم ہونے کے باوجود غور وخوض، تلاش و جستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے اور اگر باریک بینی اور غور خوض سے کام نہ لیا گیا ہو تو معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔

11- خوف خدا کے سائے میں جواب ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کیا جائے، شق در شق پیچ داریوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس سے بچائے، اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے سوال قائم کر کے اس

کی نوعیت متعین کرلے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے، لفاظی سے بالکل احتراز کرے، دوٹوک لفظوں میں جواب دے۔

فتاوی بھکھی شریف



یہ مجموعہ: کتاب العقائد، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الصدقہ والزکوٰۃ، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الفرائض، کتاب الھبۃ، کتاب الوصیۃ، کتاب البیوع، کتاب الحدود اور متفرق مسائل پر مشتمل ہے جن کے ذیل میں متعدد ابواب اور سینکڑوں فتاوی موجود ہیں۔ یہ سارا مواد رجسٹر کے اندر موجود تھا جو حضرت بدر الفقہاء مفتی محمد اصغر علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ فقیر پر اعتماد کرتے ہوئے عطا فرمایا کہ اس پر اپنی نگرانی میں تخریج کا کام بھی کروائیں اور طباعت واشاعت کیلئے بھی کوشش کریں۔ الحمد اللہ یہ تخریج کا کام علامہ حافظ محمد اسلم جلالی صدر المدرسین جامعہ غوثیہ رضویہ آئی ایٹ فور اسلام آباد نے احسن انداز میں نبھایا، اللہ تعالیٰ ان کے زور تحقیق کو مزید عروج عطا فرمائے۔ کمپوزنگ کی ذمہ داری محبی فی اللہ سید محمد عاصم کاظمی جلالی نے ادا کی اور اشاعت کا مرحلہ جلالیہ پبلیکیشنز کے ڈپٹی ڈائریکٹر علامہ محمد نواز بشیر جلالی کی وساطت سے طے کیا جارہا ہے۔ مزید براں عزیزم سید محمد شبیہ الحسن مشہدی، پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اقبال جلالی شیخ الحدیث جامعہ اسلام آباد، فخر الاماثل مفتی محمد عزیز اللہ جلالی، قاری محمد اختر نوارنی کی بھی کاوشیں قابل صد تحسین ہیں۔

فتاویٰ بھکھی شریف مجموعہ ہائے فتاویٰ کے اندر اپنی ایک خاص شان رکھتا ہے، حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت افتاء ملک پاکستان میں ہر لحاظ سے مسلم شخصیت حضرت حافظ الحدیث مفتی پیر سید محمد جلال الدین مشہدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی جن کے تقویٰ، زہد، علمی ثقاہت، فقہی وجاہت کے اندر کوئی مثال نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ جس طرح حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت دنیائے اسلام میں مانی ہوئی ہے اسی طرح فتاویٰ بھکھی شریف کا بھی علمی دنیا میں احترام کیا جائے گا، اگر مفتی کی خصوصیات پر حضرت بدر الفقہاء کی شخصیت کو پرکھا جائے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ان خصوصیات کے جامع نظر آتے ہیں، جو طلباء دینیہ حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ سے فقہی کتب کا درس لیتے رہے وہ گواہ ہیں کہ اس قدر فقہی جزئیات کا حافظ زمانہ میں نظر نہیں آتا، بندہ نے سراجی فی المیراث حضرت بدر الفقہاء رحمتہ اللہ علیہ سے رمضان المبارک کی چھٹیوں کے دوران سترہ ایام میں پڑھی، جب تنظیم المدارس کے امتحانات کا موقع آیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اسکا تکرار کسی ساتھی سے ضروری ہے، شام کے کھانے کے بعد مدرسہ میں بڑے ساتھی کی تلاش کے لیے گیا تو بدر الفقہاء رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت ہو گئی عرض کیا صبح میراث کا پرچہ ہے اور سراجی پڑھے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے، درمیان سال اسباق کی وجہ سے توجہ نہیں دے سکا تو مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے فرمایا دوسرے پرچہ دینے والے لڑکوں کو بھی بلالیں میں تکرار کروا دیتا



ہوں، حضرت بدر الفقہا رحمتہ اللہ علیہ کو علم الفرائض اس قدر مستحضر تھا کہ بغیر کسی کتاب اور کاپی کے دو گھنٹوں کے اندر پوری سراجی بیان فرمادی، دینی تعلیم مختلف مدارس میں پڑھنے کی وجہ سے تو سارا سال مصروفیت رہتی لیکن سال کے آخر چھٹیوں کے دوران حضرت بدر الفقہاء رحمتہ اللہ علیہ سے کافی استفادہ کا موقع نصیب ہوتا، حضرت بدر الفقہا رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد گرامی حضرت حافظ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے خانوادہ میں ہونے کی وجہ سے حضرت بدر الفقہاء رحمتہ اللہ علیہ کی بہت شفقتیں حاصل رہیں، انہیں شفقتوں میں سے فتاویٰ بھکھی شریف کی اشاعت وطباعت کی ذمہ داری بھی ہے۔



1999ء کے رمضان المبارک کی چھٹیاں تھیں، جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف کے دفتر میں مفتی صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اسی سال بندہ کی درس نظامی کے علوم سے فراغت بھی ہوئی تھی، رضاعت کے حوالے سے ایک بندہ مسئلہ پوچھنے آیا، چونکہ سائل لکھنا نہیں جانتا تھا حضرت بدر الفقہاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا شاہ جی اس سے سوال پوچھ کر لکھیں، میں نے سائل کے بتلانے کے مطابق سوال تحریر کر دیا، جب سوال لے کر حاضر ہوا تو فرمایا آپ کی فراغت ہو چکی ہے ہدایہ دیکھ کر اس کا جواب بھی تحریر کر دیں، بندہ نے حضرت بدر الفقہاء کے ارشاد کی برکت کو سمیٹتے ہوئے ہدایہ سے جواب تلاش کیا، لکھنے سے پہلے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس لے گیا، دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: لکھ کر لائیں جب لکھ کر لے گیا تو اس پر بغیر تصحیح کیے مہر تصدیق ثبت فرما

دی، حضرت بدر الفقہاء سائل کے سوال کا جواب جلدی تحریر نہیں فرماتے تھے، اس پر پورے غور و خوض کے بعد تفصیلی جواب عطا فرماتے، فتویٰ لکھتے ہوئے دلائل کا ذکر کرتے جاتے اور دلائل کے مطابق جو معاملہ واضح ہوتا وہ تحریر فرماتے۔

اللہ تعالیٰ فتاویٰ بھکھی شریف کے سبب سے استاد گرامی رحمتہ اللہ علیہ کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں فرمائے۔ آمین



تمت بالخیر

محمد نوید الحسن شاہ مشہدی

خویدم درگاہ حضرت حافظ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ

بھکھی شریف

بروز ہفتہ بمطابق 5.7.2014

تقدیم

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اقبال جلالی

(پرنسپل و شیخ الحدیث جامعہ اسلام آباد)

فتویٰ نویسی کا کام مسلم سوسائٹی میں ہر دور میں انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے اور مفتی کو بھی مسلم معاشرے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ مفتی در حقیقت وارث پیغمبر ہوتا ہے جیسا کہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے الموافقات میں تحریر کیا ہے "المفتي قائم في الامة مقام النبي صلي الله عليه وآله وسلم" یعنی مفتی امت میں نائب رسول ہوتا ہے کیونکہ وہ حکم الٰہی کو واضح اور بیان کرتا ہے' اس حیثیت سے فتویٰ نویسی دوہری ذمہ داری ہے ایک حکم الٰہی کی صحیح ترجمانی کرنا اور دوسری ذمہ داری فتویٰ پر عملدرآمد کے اعتبار سے ہے۔



فتویٰ نویسی تمام دینی و شرعی علوم و وظائف سے معاشرے کے زیادہ قریب ہے اور فقہائے کرام نے ہر دور اور ہر علاقے میں ایک باصلاحیت اور اہل مفتی ہونا شرعی فریضہ قرار دیا ہے اور جہاں ایسا مفتی نہ ہو وہاں پر رہائش پذیر ہونا ناجائز اور وہاں سے ہجرت کرنا ضروری قرار دیا ہے اور شریعت محمدیہ کا نفاذ بھی فتویٰ نویسی سے وابستہ ہے' اگر قاضی یا جج نا اہل ہو تو مفتی سے فتویٰ لے کر عدالت اسلامیہ میں فیصلے کرے گویا کہ فتویٰ

کا اجراء مذہبی زندگی کا ارتقاء اور جمود مذہبی زندگی کی موت ہے اور مفتی اسلامی و شرعی عدالت کا عظیم منصب اور نام ہے، فتویٰ نویسی کی اہمیت اور نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص سے معاذ اللہ کفر سرزد ہو جائے اور وہ مفتی سے رجوع کرے اور مسئلہ دریافت کرے، مفتی فتویٰ میں تاخیر کرے اس دوران وہ شخص فوت ہو جائے تو فتویٰ کی تاخیر سے کتنا بڑا نقصان ہو گا؟



یوں تو ہر عالم دین کو فقیہ کہا جاسکتا ہے مگر مفتی وہ ہوتا ہے جو فقیہ کامل ہو اور اصول و فروع پر اس کی نظر حاوی ہو، علوم اسلامیہ کے تمام شعبوں میں مہارت کے ساتھ ساتھ خصوصاً تفسیر و حدیث پر مکمل عبور اور فقہی جزئیات اور اصول فقہ کا استحضار بھی ضروری ہے اور فتویٰ نویسی کی بنیادی شرط خوف خدا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کی بدولت مفتی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد اور مرضی سے آگاہی نصیب ہوتی ہے اور پیش آمدہ مسائل میں حکم الٰہی کا اظہار کرتا ہے۔ اہل علم و فضل نے ایک مفتی کے لیے اور بھی شرائط ذکر کی ہیں جیسا کہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی کے لیے اٹھائیس شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔

پیش نظر ''فتاویٰ بھکھی شریف'' مفتی اعظم پاکستان، غوث زماں، حافظ الحدیث والقرآن، حضرت علامہ پیر سید محمد جلال الدین شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ حضرت

اعلیٰ درگاہ مقدسہ بھکھی شریف اور آپ کے شاگرد رشید، مرید مخلص، استاذ العلماء، بدر الفقہاء حضرت علامہ مفتی اصغر علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث و مفتی جامعہ بھکھی شریف کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو بیشمار شرعی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے اور ایک عظیم فقہی ذخیرہ ہے، ان مذکورہ ہر دو بزرگوں کے مختصر حالات زندگی خصوصاً ان کی فتویٰ نویسی میں مہارت اور خدمات کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔



حضرت حافظ الحدیث اور فتوی نویسی

مفتی اعظم پاکستان، حافظ الحدیث والقرآن حضرت علامہ پیر سید محمد جلال الدین شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ اپنے دور کی نادر روزگار شخصیت تھے، علم و فضل اخلاص و تقوی، ہمت و استقامت، تنظیم و سیاست، فقہی تدبر اور اجتہادی بصیرت میں یکتائی رکھتے تھے لیکن فقہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تبحر علمی، وسعت نظری، عمیق مشاہدہ، قوت استدلال، ملکہ استنباط، فقہی بصیرت اور صلابت رائے کے غیر بھی معترف تھے، چونکہ آپ نے شہزادۂ اعلحضرت، مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فتوی نویسی کی خصوصی تربیت حاصل کی اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ افتاء میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے اور ایک فقیہ اور مفتی کیلئے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے وہ تمام بدرجہ اتم آپ میں پائی جاتی تھیں۔

اللہ کے فضل وکرم سے آپ رحمہ اللہ کو فتوی نویسی میں کامل اور حیرت انگیز دسترس حاصل تھی، آپ کا فتوی نویسی میں انداز نہایت آسان، عام فہم مختصر مگر جامع ہوتا تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی میں اس قدر جامعیت ہوتی کہ اس میں کسی بھی جانب اور پہلو سے کوئی ابہام یا کمزوری باقی نہ رہتی اور کسی بھی منصف مزاج مخالف کو اس فتوی میں کسی جہت سے علمی اور وزنی اعتراض کا موقع ہاتھ نہ آتا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کتب فقہ و فتاوی پر عبور کا یہ عالم تھا کہ کتب کے صفحات اور سطور تک ذہن نشین رہتے تھے، آپ کے فتاوی نقل کروانے کا ایک اور حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ بڑی بڑی کتابوں کی عبارتیں صفحہ اور سطر تک محض اپنی یاداشت سے املاء کروادیتے تھے، جبکہ دوسری طرف آپ رحمہ اللہ ظاہری بصارت سے محروم تھے گویا کہ آپ کے ہاں آورد نہیں بلکہ آمد تھی۔



استاذی المکرم حضرت بدر الفقہاء مفتی اصغر علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کامل حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مسائل بمعہ مراجع و مصادر محض توجہ سے مل جاتے تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ پر مسائل اس طرح منکشف ہوتے جیسے اولیاء اللہ پر اشیاء کے احوال منکشف ہوتے ہیں، آج کل لوگ تو مستحب و مکروہ کو بطور استخفاف ترک کر دیتے ہیں لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مستحب اور مکروہ تنزیہی کا خیال رکھا اور رخصت کو نہ اپنایا بلکہ خود ہمیشہ عزیمت پر عمل فرمایا اور اس کی ہی تلقین فرمائی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چوالیس سال دارالافتاء میں تمام فتاوی فقہ حنفی کے مطابق جاری کئے ہیں ،آج کل بعض لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ اگر کوئی مشکل مسئلہ آ جائے تو دوسرے امام کی طرف رجوع کرتے ہیں جو آسان مسئلہ بتائے، لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی بھی مشکل سے بچنے کیلئے آسان راستہ اختیار نہیں کیا، ہمیشہ فقہ حنفی کے مطابق فتوی جاری کیا اور اسی پر عمل کیا اور دوسروں سے کروایا۔



آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا الگ موقف قائم کرنے کا جنون نہیں تھا بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہر عمل مبارک میں خلوص وللّٰہیت کارفرما تھی،آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں حنفی ہوں ،احناف کے مفتیٰ بہ اقوال کے خلاف فتوی کا تصور بھی نہیں کر سکتا،،

چونکہ ایک مفتی عالم کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مخلص ہو اور تحقیقِ مسائل میں خواہشات سے بالاتر ہو کر حق کی جستجو میں لگا رہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر کسی سے فتوی کے عوض ایک پائی بھی وصول نہیں کی بلکہ جو کام بھی کیا رضائے الٰہی کیلئے کیا جیسا کہ مولانا حافظ محمد اقبال صاحب (سرائے عالمگیر) بیان کرتے ہیں ایک موقع پر میری موجودگی میں ایک صاحب فتوی لینے کیلئے آئے،آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا مسئلہ حل فرما دیا تو وہ بطور نذرانہ کچھ رقم دینے لگا مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم فتوی پر کوئی پیسہ نہیں لیتے،اس نے اصرار کیا کہ جامعہ کیلئے قبول فرمائیں تو فرمایا کہ اگر مدرسہ کی خدمت کرنا چاہتے ہو تو پھر کسی موقع پر جامعہ کی خدمت کر لینا۔

اگرچہ بعض علماء کاغذ، سیاہی اور فتوی لکھنے کی محنت اور جستجو کے عوض فیس لینا جائز رکھتے ہیں اور بعض مفتی حضرات مدرسہ کیلئے کوئی رقم وصول کر لیتے ہیں لیکن پیکر اخلاص وللّٰہیت حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی کسی بھی صورت فتوی کے معاوضہ کو پسند نہیں فرمایا اور اسی خلوص کی تاثیر تھی کہ ملک اور بیرون ملک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی جات اس قدر مقبول ہوئے کہ مخالفین کو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا فتوی ماننا پڑتا۔



حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر علمائے کرام آپ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت اور علمی رسوخ کے قائل تھے،آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کو اس قدر مقبولیت عامہ نصیب ہوئی کہ جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف پاکستان میں قائم شدہ دار الافتاء فتاوی کے مراکز میں سے ممتاز اور سربلند نظر آنے لگا، دنیا بھر کے لوگ جس طرح جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف کو مرکز علم وعرفان سمجھتے تھے اس طرح مرکز افتاء بھی مانتے تھے۔

اسی جامعہ بھکھی شریف میں حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تقریبا 22 سال تک آپ کے شاگرد رشید اور مرید مخلص استاذ العلماء، بدر الفقہاء حضرت مفتی اصغر علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی صادر فرمائے جن کو اب کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے، درج ذیل سطور میں حضرت بدر الفقہاء کا تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے۔

حضرت بدر الفقہاء شخصیت اور فتویٰ نویسی

حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور صلاحیتوں سے آشنا شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس قدر صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جن شرائط کا ایک مفتی میں پایا جانا ضروری ہے وہ شرائط آپ میں پائی جاتی تھیں۔ حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و کردار اور خدمات کا جائزہ لینے سے پہلے آپ کا سوانحی خاکہ اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے۔



حضرت بدر الفقہاء 1950ء کو امرہ کلاں نزد ڈنگہ میں قاضی شرف دین صاحب کے گھر پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی نہایت شریف اور دین کی محبت رکھنے والے تھے بلکہ یہاں تک اللہ تعالیٰ کا ان پہ فضل و کرم تھا کہ کشف قبور کے ماہر تھے اور قصیدہ غوثیہ کے عامل تھے اور ان کے معمولات میں مزارات مقدسہ کی حاضری میں حضرت میاں صاحب کھڑی شریف کی حاضری تھی اور اسی دینی جذبہ کی وجہ سے آپ نے اپنے صاحبزادے کو حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمہ کے پاس دینی تعلیم کے لیے بھیجا اور والد گرامی نے آپ کا نام محمد اصغر علی رکھا۔

پرائمری تک تعلیم اپنے آبائی گاؤں امرہ کلاں میں حاصل کی، بعد ازاں 1963ء کو آپ کے والد گرامی آپ کو بھکھی شریف حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمہ کے گلستان علمی میں لے آئے، آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف میں حضرت استاذ الاساتذہ مولانا محمد نواز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل بریلی شریف و سابق

شیخ الجامعہ بھکھی شریف، امام الصرف والمعانی، استاذ العلماء حافظ نذیر احمد صاحب، استاذ العلماء مولانا کریم بخش صاحب، اور حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمہ سے کی اور مرکزی جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف کے سالانہ جلسہ دستار فضیلت میں 1972ء کو دستار فضیلت حاصل کی۔

آپ کی شادی تقریبا 1978ء میں چک موجو ضلع جہلم کے ایک شریف خاندان میں ہوئی، آپ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔



آپ نے 1972ء کو حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اسی سال آپ نے دستار فضیلت بھی حاصل کی، عمر کے اس حصہ میں آپ بیعت کی اہمیت اور افادیت کو جانتے تھے، حضور حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کی تعلیمات اور معمولات سے متاثر تھے، آپ نے اپنے روحانی سلسلہ کو بھی حضور حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کے ساتھ وابستہ رکھا جس کی برکت آپ کو تاحیات نصیب رہی۔

حضرت بدر الفقہاء علیہ الرحمہ کی یہ تمنا تھی کہ زیارت حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس آرزو کو پورا فرمادیا اور حج بیت اللہ دو مرتبہ نصیب فرمایا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے پہلا حج 2001ء میں کیا اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے اور خصوصی طور پر روضہ مصطفیٰ ﷺ کی حاضری کو زندگی کا سرمایہ سمجھا اور پھر یہ تمنا بڑھتی رہی کہ روضہ مصطفیٰ ﷺ کی برکتیں نصیب

ہو جائیں اور 2006ء میں آپ کی درخواست منظور ہو گئی مگر حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہونے سے چند دن قبل ایک ایکسیڈنٹ میں آپ کے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی، جس کی وجہ سے آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ نہ ہو سکے۔ اور یہ پریشانی دامن گیر رہتی کہ زندگی میں پھر یہ موقع نصیب ہو گا یا کہ نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا اور نگاہ مصطفیٰ ﷺ کا فیضان موج میں آیا کہ 2007ء میں آپ کو دوسری مرتبہ حج بیت اللہ نصیب ہوا۔



آپ علیہ الرحمۃ نے جامعہ بھکھی شریف سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کے حکم کے مطابق اپنی تدریسی زندگی کا آغاز ریاست بہاولپور کے علاقے میں ہارون آباد سے کیا۔ اور تقریبا1973ء سے لیکر 1979ء تک وہاں پڑھاتے رہے۔ ایک سال جوہر آباد کے ایک مدرسہ میں پڑھایا۔ 1981ء کے بعد پنڈی راواں ضلع منڈی بہاؤالدین میں تدریس و تفہیم کے فرائض سرانجام دیتے رہے، 1986ء میں حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد مرکزی جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو کہ جنوری 2008ء تک جاری رہا اور اس کے بعد جامعہ حنفیہ سرائے عالمگیر اور جامعہ نوشاہیہ جہلم میں شیخ الحدیث و مفتی کے عہدے پر فیض رہے، اس دوران ہزاروں طالبان حق نے بدر الفقہاء کے فن تدریس سے متاثر ہو کر اپنی علمی تشنگی کو بجھایا۔ اس سارے دورانیے میں حضرت بدر الفقہاء تدریسی، تعلیمی اور تحقیقی تجربہ رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ نمایاں رہے۔

حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور جامعہ بھکھی شریف کے دیگر اساتذہ کرام سے درسیات پڑھیں اور آپ حضرت حافظ الحدیث کے تلمیذ رشید اور مرید خاص تھے اور قبلہ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقربین میں سے تھے' اہلسنّت کے مختلف جامعات میں علوم اسلامیہ کی تدریس و تفہیم کے علاوہ جامعہ بھکھی شریف میں تقریباً بائیس سال مسند تدریس و افتاء پر فائز رہے' اور علوم اسلامیہ و فنون عربیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ جس اخلاص اور ذمہ داری سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے افتاء کی ذمہ داری نبھائی اس کی مثال دور آخر میں کم ہی ملتی ہے، لاکھوں انسانوں نے دینی مسائل میں راہنمائی کے لیے آپ سے رجوع کیا اور ہزاروں طلبہ آپ سے مستفید ہوئے۔



حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ نویسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، جہاں آپ کی ذات مرجع عوام تھی وہاں مرجع علماء و مشائخ بھی تھی' ملک اور بیرون ملک کے لوگ آپ سے فتاوی حاصل کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیگر کئی خدا داد صلاحیتوں کے علاوہ تفقہ فی الدین کی خصوصی نعمت آپ کو عطا کی گئی اور فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا گویا کہ دنیاوی مال و دولت اور آرائش و آسائش سے مستغنی اور بے نیاز حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور بھلائی نصیب تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

(بخاری شریف، 1/16)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ متقی، پارسا، راسخ العلم مدرس، بلند پایہ حاضر دماغ اور بالغ نظر مفتی تھے، متواضع، شریف النفس، عالم با عمل کے ساتھ ساتھ بہت بڑے زاہد تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ختم قل شریف کے موقع پر جانشین حافظ الحدیث حضرت علامہ الحاج پیر سید محمد نوید الحسن مشہدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھکھی شریف نے اپنے خصوصی خطاب میں جہاں آپ کی دینی خدمات اور دیگر کئی اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا وہاں آپ نے خصوصی طور پر حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و تقویٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی "كن في الدنيا كانك غريب أو عابر سبيل وعد نفسك في أهل القبور" کی عملی تفسیر تھی اور آپ نے زہد و تقویٰ کو زندگی کا شعار بنائے رکھا، بندہ ناچیز کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور آپ کی زندگی کو بڑا قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور میرا بھی یہ مشاہدہ ہے کہ قبلہ استاذی الکریم بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کو جس قدر زہد و تقویٰ نصیب تھا آپ کے ہمعصر علمائے کرام و مفتیان شرع متین میں اس قدر زہد و تقویٰ کم ہی پایا جاتا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس وصف کا ذکر خصوصی طور اس لیے ذکر



کیا ہے کہ مفتی جس قدر متقی، زاہد اور مخلص ہو گا اسی قدر اس کے لیے شریعت مطہرہ کے حکم کا کشف اور اظہار آسان ہو گا۔

معزز قارئین کرام!

مفتی اعظم پاکستان حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ملک پاکستان میں فتوی کے لیے جس عظیم معیار کو قائم فرمایا اس کو برقرار رکھنا انتہائی مشکل تھا مگر حضرت حافظ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے روحانی فیضان اور قبلہ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ و شفقت کی بدولت حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس معیار کو برقرار رکھا اور تقریباً بائیس سال جامعہ بھکھی شریف میں مسند تدریس کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کی زینت بنے رہے اور لوگوں کو دینی راہنمائی سے فیض یاب کرتے رہے، کیوں نہ ایسے ہوتا کہ آپ کو اپنے استاذ کامل اور مرشد گرامی حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے سچی محبت و عقیدت تھی اور بندہ نے بارہا اس بات کا مشاہدہ کیا کہ خانوادہ حضرت حافظ الحدیث کے ہر چشم و چراغ کا نام انتہائی عقیدت و احترام سے لیتے، حتی کہ کسی بچے کا بھی نام لیتے تو پورے احترام سے لیتے، جس سے آپ کی اپنے شیخ طریقت کے ساتھ محبت و عقیدت کا نمایاں اظہار ہوتا تھا، اسی سچی عقیدت و محبت اور روحانی نسبت و ارادت کا فیض تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری سانس تک اپنے شیخ کامل قبلہ حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو فروغ دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اہل علم و معرفت کہتے ہیں کہ



"مرید کو اگر پیر سے حقیقت میں خلوص ہو تو پیر کے وصف خاص کا عکس مرید میں پایا جانا ضروری ہے اور ایسے ہی اگر شاگرد کو اپنے استاذ کے ساتھ حقیقی انس و عقیدت ہو تو استاذ کے وصف خاص کا عکس شاگرد میں پایا جانا ضروری ہے"۔ اس حقیقت کے تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف و روحانیت کا عکس جمیل قبلہ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر تھا اور آپ کے فقہی تدبر اور اجتہادی بصیرت کا عکس حسین حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ پر تھا۔



حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا انداز عام فہم، تحقیقی اور جاندار تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سوال کے بارے جب تک پورا اطمینان خاطر نہ کر لیتے فتوی صادر نہ کرتے، اور فتویٰ دیتے وقت کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور سوال کا جواب تحریر کرتے وقت قرآن و سنت اور اقوال ائمہ کرام کو بطور سند لاتے تھے اگرچہ مفتی کا کام صرف فتوی نویسی اور حکم شرع واضح کرنا ہوتا ہے لیکن حضرت بدر الفقہاء اصل واقعہ کی بھی حتی الامکان جستجو کرتے اور دلائل بھی قلمبند کرتے تھے، دور حاضر کے بعض مفتیان حضرات کی طرح اگر مگر کر کے فتویٰ نہ لکھتے، بڑی خود اعتمادی سے فتویٰ لکھتے تھے، حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی فتویٰ کے عوض فیس وصول نہیں کی اور فتوی نویسی میں اخلاص وللٰہیت کار فرما رہی، اسی اخلاص کی برکت تھی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ملک اور بیرون ملک مقبول و مشہور ہوئے، حتی کہ علمائے کرام بھی آپ پر اعتماد کرتے اور آپ

کی طرف تحقیق مسائل میں رجوع کرتے تھے جیسا کہ ہارون آباد میں تدریس کے دوران مفتی غلام سرور قادری سابق وزیر مذہبی امور پنجاب کو علم میراث کا کوئی مسئلہ در پیش تھا انہوں نے حضرت بدر الفقہاء سے کہا کہ آپ نے "سراجی" ابھی پڑھی ہے لہٰذا اس کی تحقیق کریں۔ حضرت بدر الفقہاء نے ان کی مشکل حل کر دی۔ مفتی غلام سرور قادری صاحب حیران ہو کر رہ گئے، اتنا بڑا مسئلہ جو مجھ سے حل نہیں ہو رہا تھا وہ نوجوان عالم نے حل کر دیا ہے، اس کے بعد جو فتویٰ انھوں نے تحریر کرنا ہوتا حضرت بدر الفقہاء کے پاس بھیجتے اور کہتے: کہ بھکھی شریف والے مفتی صاحب کے پاس لے جاؤ اور اس واقعہ سے آپ بھکھی شریف والے مفتی صاحب مشہور ہوئے۔ یہ حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کی نگاہ کامل کی برکت ہے، جو آپ کو ہمیشہ نصیب رہی اور بھکھی شریف میں قیام کے دوران آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی بھی کی، اس اعتبار سے حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمۃ کی مسند افتاء پر فائز رہے اور آپ نہایت دیانتداری اور اخلاص سے فتویٰ نویسی کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔



راقم الحروف اس بات کا عینی شاہد ہے کہ ایک دفعہ حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آزاد کشمیر سے فتویٰ کی غرض سے جامعہ بھکھی شریف پہنچا، آپ کے کلاس روم میں میری جماعت کا پیریڈ تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری موجودگی میں ہی اس کے فتویٰ کا جواب لکھ کر دیا تو اتفاق سے وہ فتویٰ اس کے حق میں تھا، وہ شخص بڑا خوش

ہوا اور خوشی میں جیب سے نقدی نکال کر قبلہ استاذ گرامی کی خدمت میں پیش کی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لینے سے انکار کر دیا، وہ بڑے اصرار سے دینے کے لیے کہہ رہا تھا تو آپ نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے اسے کہا کہ آپ فتویٰ لے کر چلے جائیں میں یہ نقدی قطعاً قبول نہیں کروں گا۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا روشن کردار موجود تھا اور آپ نے اپنے مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند افتاء کو دنیاوی آرائشوں سے پراگندہ نہیں ہونے دیا۔



اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ فتویٰ کا کام کس قدر مشکل اور محنت طلب ہے، مدارس و جامعات کے ذمہ داران نے دارالافتاء کے بورڈ تو لگا دیے ہیں لیکن صحیح مفتی نہیں ملتا، فتویٰ کے نام پر فتنہ و فساد پھیلایا جا رہا ہے اور عوام کو گمراہ اور بے وقوف بنایا جا رہا ہے، شرعی فتویٰ حاصل کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ کسی مفتی نے کوے کو کھانا جائز اور ثواب لکھا اور کسی نے بکرے کے خصے کھانا جائز قرار دیا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت بدرالفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مستند اور معتمد بھی ہوتا اور ناصحانہ اور مبلغانہ بھی۔ آپ کے فتاویٰ میں بعض مسائل کی وضاحت کے ساتھ توبہ واستغفار کرنا اور صدقہ و خیرات دینے کی ترغیب بھی ملتی ہے اور نکاح و طلاق کے مسائل میں عائلی زندگی کے استحکام کی تدبیر پیش کرتے اور خرید و فروخت کے مسائل میں اعلیٰ اخلاق کی ترغیب اور اخلاقی اقدار و روایات کی پاسداری کا درس بھی دیتے تھے اور بعض معاصرین مفتیان

حضرات کے فتاویٰ کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ بھی لیتے اور پاکستانی عدالتوں کے جج صاحبان بھی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے فتویٰ کے مطابق فیصلے کرتے تھے ' اور اکثر آپ کے فتاویٰ مختصر ہوتے مگر بعض فتاویٰ طویل بھی صادر فرماتے تھے فقہی مسائل کے ساتھ اعتقادی مسائل پر بھی تحقیقی فتاویٰ صادر فرماتے تھے اور قدیم مسائل کے ساتھ ساتھ جدید مسائل پر بھی بحث فرماتے تھے جیسا کہ آپ کے فتاویٰ میں ٹیلی فون پر نکاح، بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح، سرکاری ملازم کا بینک سے بیسک پے ایڈوانس لیکر قسطوں میں واپس کرنا اور روزے میں انجکشن وغیرہ کے متعلق فتاویٰ موجود ہیں۔



حضرت بدرالفقہاء رحمہ اللہ کے فتاویٰ ماہنامہ "جلالیہ بھکھی شریف" کے اجراء کے ساتھ ہی "فقہ الفقیہ" کے نام سے شائع ہوتے رہے اور ماہنامہ جلالیہ کے قارئین حضرات اس سلسلے کو بڑا پسند کرتے تھے اور آپ کے اس سلسلے کے مقبول عام ہونے پر ماہنامہ جلالیہ کے سرپرست اعلیٰ حضرت ثانی صاحب رحمہ اللہ کے دست اقدس سے حضرت بدرالفقہاء کو اعزازی شیلڈ دی گئی اور ماہنامہ جلالیہ کے یوم تاسیس کے موقع پر جب شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف جلالی صاحب رحمہ اللہ سابق انچارج سلسلہ عرفان الحدیث ماہنامہ جلالیہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ماہنامہ جلالیہ کی مدت رضاعت پوری ہو چکی ہے، اب اس کی نشو و نما بہت ضروری ہے تو حضرت بدرالفقہاء نے اسی اجلاس میں فقیہانہ انداز میں کہا کہ اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی) اپنی ماں ہو تو زندگی بھر بلکہ مرنے

کے بعد بھی اس کی خدمت ضروری ہوتی ہے، لہٰذا ماہنامہ جلالیہ کی انتظامیہ واراکین اور جملہ وابستگان درگاہ حضرت حافظ الحدیث اس ماہنامہ کو معاشرے کے ہر فرد تک پہنچائیں۔

الغرض حضرت بدرالفقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے گردش ایام میں بھی استقامت علی الحق' صبر و تحمل' عاجزی و انکساری اور اخلاص ووفا جیسی صفات کو اپنائے رکھا اور اپنے تلامذہ کے ساتھ انتہائی شفقت اور محبت فرماتے' مسائل میں ہر طرح کی راہنمائی فرماتے تھے' بندہ ناچیز کو جہاں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے وہاں مختلف مسائل کی تحقیق اور فتویٰ نویسی میں بھی آپ سے تربیت حاصل ہے اور آپ انتہائی شفقت و محبت سے مختلف امور میں راہنمائی کرتے تھے' ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ بورڈ کی طرف سے اخبارات میں یہ فتویٰ شائع ہوا کہ حکومتی پابندی کی صورت میں گائے کا ذبح کرنا اور قربانی کرنا ناجائز ہے' بندہ ناچیز نے فوراً فون پر ہی آپ سے راہنمائی لی اور دارالعلوم دیوبند کے اس فتویٰ کے رد میں تحقیقی فتوی تحریر کیا اور تقریباً تمام قومی اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا جس پر دارالعلوم دیوبند کے فتوی بورڈ کو اس فتوی سے مجبوراً رجوع کرنا پڑا' میرے تحریر کردہ اس فتوی کو دیکھ کر حضرت بدرالفقہاء رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازا' یوں بندہ ناچیز نے فتویٰ نویسی کا آغاز آپ کی شفقتوں، محبتوں کے سائے میں کیا اور وقتاً فوقتاً فتوی نویسی میں آپ سے تربیت کا موقع ملتا رہا' اور جس انداز میں آپ راہنمائی کرتے وہ آپ کی عظمت کا نشان ہے' اور آپ نے مجھے کتب فقہ و فتاوی سے استفادہ



اور چھان بین سے فتویٰ لکھنے کی نصیحت کی، ایک دفعہ میں نے کسی خطاب میں بغیر تحقیق،

اطمینان سے فتویٰ نہ دینے کے بارے میں کہا کہ میں جب تک کتب فقہ و فتاویٰ سے مسئلہ کا

پورا اطمینان نہ کرلوں اس وقت مسئلہ نہیں بتا سکتا، ایک مفتی صاحب نے یہ بات سن کر کہا

مجھ سے جو آدمی جس وقت مسئلہ پوچھے میں بغیر کتب فقہ و فتاویٰ دیکھنے کے فوراً مسئلہ بتا دیتا

ہوں 'کتب دیکھنے کی ضرورت نہیں، جب اس واقعہ کا حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کو

علم ہوا تو آپ نے بغیر کتب فقہ و فتاویٰ کے استفادہ سے فتویٰ دینے پر "لا حول ولا قوة

الا بالله العلي العظيم" پڑھا۔



اور بندہ ناچیز سمیت سینکڑوں علمائے کرام اور ہزاروں طلبہ اور لاکھوں افراد کے

لیے آپ کا وصال بہت بڑا خلا ثابت ہوا جس کا پر ہونا بہت مشکل ہے۔ اور مجھے تو آپ کے

وصال سے اس حدیث شریف کا پورا مفہوم واضح ہوا کہ ''اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عالم کی

وفات سے علم قبض فرمالیتا ہے''۔ کیونکہ آپ کے وصال کے بعد تحقیق مسائل میں ملک

بھر کے علمائے کرام و مفتیان حضرات سے استفادہ کی کوشش کی مگر پورا اطمینان قلب

نصیب نہیں ہوتا' آپ کے ہوتے ہوئے ایک مختصر اور بے وقت کال پر بھی پوری راہنمائی

اور اطمینان نصیب ہو جاتا تھا، اور اب تو ہر طرف اندھیرا سا محسوس ہوتا ہے' تاہم بندہ ناچیز

نے آپ کی زندگی میں ہی آپ کی راہنمائی میں فتویٰ نویسی کا ضرورت کے پیش نظر آغاز کیا

اور آپ کے ختم قل شریف سے واپسی پر باضابطہ فتویٰ نویسی کا سلسلہ شروع کیا ور

معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر اسے ضروری بھی سمجھا اور اسی سفر سے واپسی کے دوران ہی یہ بھی ارادہ کیا کہ چند سالوں کے بعد جامعہ غوثیہ رضویہ 8/4-I اسلام آباد میں ان شاء اللہ تعالیٰ تخصص فی الفقہ اور مفتی کورس کا اہتمام کروں گا، جو بحمدہ تعالیٰ آپ کے وصال کے ایک سال بعد ہی بندہ ناچیز اپنے جامعہ میں شرعی بورڈ پاکستان کے تحت علمائے کرام اور جامعہ کے منتہی طلبائے کرام کے لیے اس کورس کے اجراء میں کامیاب ہوا' اور اب اس کورس میں 18 علمائے کرام فتوی نویسی کی تربیت حاصل کر رہے ہیں اور ان کی مساجد میں دارالافتاء کے بورڈ بھی شرعی بورڈ پاکستان کی طرف سے آویزاں کر دیئے ہیں تاکہ عوام الناس کی زیادہ سے زیادہ راہنمائی کی جاسکے' اس طرح اسلام آباد میں شرعی بورڈ پاکستان کے تحت مرکزی دارالافتاء کی زیر نگرانی دارالافتاء کے 12 سنٹرز قائم کر دیئے ہیں' جہاں سے استفتاءات اور سوالات وصول ہوتے ہیں اور مرکزی دارالافتاء جامعہ غوثیہ رضویہ 8/4-I اسلام آباد میں بندہ ناچیز ان کے جوابات تحریر کرتا ہے اور شرعی بورڈ پاکستان کے ہفتہ وار اجلاس میں ان فتاوی کو زیر بحث بھی لایا جاتا ہے اور کبھی صرف ایک دن میں تین چار سوالات بھی آتے رہتے ہیں اور فی سبیل اللہ اس خدمت کو سرانجام دیا جاتا ہے اور کتنے ہی عدالتوں میں جاری کیس اور بیرون ملک سے بھی سوالات مرکزی دارالافتاء میں پہنچ رہے ہیں۔



اور یہ سب کچھ حضرت بدرالفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مایوسی کی بجائے کچھ کر گزرنے کے جذبہ صادق کا نتیجہ ہے اور ان چند سطور سے غرض یہ ہے کہ دیگر علمائے کرام خصوصاً آپ کے تلامذہ بھی اس مشن کی تکمیل کے لیے مخلصانہ کوشش کریں اور اس اندھیر نگر میں نا اہل اور بد عقیدہ لوگوں نے جگہ جگہ دارالافتاء کے بورڈ لگا رکھے ہیں جس سے ملت اسلامیہ میں گمراہی پروان چڑھ رہی ہے، لہٰذا سب حضرات کو اپنی جگہ اپنی بساط کے مطابق معاشرے کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔



الغرض حضرت بدرالفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ایمان کی کوکھ سے جنم لیتا' اخلاق کی آغوش میں پروان چڑھتا اور عمل کے پیکر میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا تھا، لاکھوں افراد کو اپنے اس مبارک عمل سے مستفیض کرتے ہوئے آپ 29 شعبان المعظم 1430ھ بمطابق 21 اگست 2009ء کو اپنے شیخ زادہ استاذ العلماء، قیوم زماں، قبلہ مرشد گرامی حضرت علامہ پیر سید محمد مظہر قیوم شاہ صاحب مشہدی نور اللہ مرقدہ کے وصال پر آستانہ عالیہ بھکھی شریف پہنچے اور اسی دن ہی اپنے شیخ کامل حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ مقدسہ پر حاضری دیکر اپنے شیخ زادے کی رفاقت و معیت میں خالق حقیقی سے جا ملے' گویا کہ اپنے شیخ کے آستانہ پر اپنی روح کا نذرانہ پیش کر کے شیخ کی محبت کی قبولیت کی سند حاصل کر لی اور جہاں آپ زندگی کے مختلف اسفار اپنے شیخ زادہ قبلہ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں کیے وہاں اللہ رب العزت نے آخرت کے سفر میں بھی شیخ زادہ

کی معیت نصیب کر دی جو نسبت نقشبندیہ قوی تر ہونے کا بین ثبوت ہے، جہاں قبلہ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی نماز جنازہ بکھی شریف کے کالج گراؤنڈ میں ادا کی گئی وہ حضرت بدر الفقہاء کی بھی نماز جنازہ تھی' باوجود علم و فضل کے سمندر ہونے کے آپ کی طبیعت میں اس قدر عاجزی اور سادگی تھی کہ دیکھنے والے کے لیے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ آپ ایک بلند پایہ مفتی ہیں اور آپ کی سادگی کی وجہ سے عوام الناس آپ کے رتبہ و مقام سے واقف نہ ہو سکے تاہم علمائے کرام آپ کے بلند علمی رتبہ سے آگاہ اور معترف تھے۔



حضرت حافظ الحدیث اور آپ کے شاگرد رشید حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہما کے بعض فتاویٰ تحریری صورت میں موجود تھے جو علم و فضل اور حقیقت و معرفت کا گنج گرانمایہ تھے، حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے چند فتاویٰ دستیاب ہوئے ہیں جو بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں، جبکہ آپ کے شاگرد رشید حضرت بدر الفقہاء رحمہ اللہ علیہ کے اکثر فتاویٰ دستیاب ہوئے ہیں انہیں کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے جن کے مطالعہ سے علم ہوگا کہ آپ واقعی بدر الفقہاء ہیں اور آپ کی شخصیت علم کا گہرا سمندر تھی اور اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ آپ کے فتاویٰ کو زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔

جانشین حضرت حافظ الحدیث علامہ مفتی پیر سید محمد نوید الحسن مشہدی صاحب سجادہ نشین

آستانہ عالیہ بھلکھی شریف نے ایک ملاقات میں حضرت بدر الفقہاء سے ان فتاویٰ کو " فتاویٰ بھلکھی شریف " کے نام سے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے کہا کہ جب چاہیں جس نام سے چاہیں شائع کر دیں تو حضرت صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے انجمن جلالیہ رضویہ پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کے سالانہ اجلاس میں پی ایچ ڈی اسکالر مولانا محمد اسلم جلالی صاحب کی ذمہ داری لگائی کہ ان فتاویٰ کی تخریج و تحقیق کریں اور جلالیہ پبلیکیشنز کی طرف سے اسے شائع کیا جائے تاکہ علمائے کرام اور عام و خاص ان سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ میں اگرچہ فتاویٰ کے مسودہ کا پورا مطالعہ نہیں کر سکا تاہم اپنے استاذ گرامی حضرت بدر الفقہاء کے فتویٰ نویسی کے اسلوب سے آگاہ ہوں، الحمد للہ! پروفیسر محمد اسلم جلالی نے فتاویٰ کی تخریج و تحقیق میں بڑی محنت کی اور مولانا سید عاصم شاہ کاظمی جلالی نے فتاویٰ کو کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے مراحل سے گزار کر طباعت و اشاعت کے قابل بنایا۔ بارگاہ خداوند قدوس میں میری دعا ہے کہ پروردگار حقیقی ان فتاویٰ کو قبول عام کا شرف بخشے، اور حضرت حافظ الحدیث اور حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہما کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور رہتی دنیا تک ان کا فیضان جاری رہے۔ ان فتاویٰ کی نشر و اشاعت کرنے والا ادارہ "جلالیہ پبلیکیشنز" یوں ہی سدا دین وملت کی نمایاں خدمات انجام دیتا رہے اور رب قدیر دست غیب سے اس ادارہ کی مدد فرمائے۔ آمین!



اللہ تعالیٰ حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگرد رشید حضرت بدر الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کی مرقد مبارک پر بے شمار برکتوں، رحمتوں کا نزول فرمائے اور ہمیں آپ کے علمی، روحانی فیوض و برکات سے مستفید فرمائے۔

آمین ثم آمین!

یکے از خدام درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

محمد ظفر اقبال جلالی

اسلام آباد



حضرت حافظ الحدیث والقرآن، مفتی اعظم پاکستان علامہ پیر سید محمد جلال الدین شاہ مشہدی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی جات

(اہم نوٹ)



یہاں پر حضرت حافظ الحدیث رحمہ اللہ سے پوچھے گئے چند سوالات اور انکے جوابات پیش کیے جاتے ہیں جو ماہنامہ "سوئے منزل" راولپنڈی کے مدیر اعلی مفکر اسلام مفسر قرآن علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب مرکزی ناظم اعلی جماعت اہلسنت پاکستان نے مذکورہ ماہنامہ میں وقتاً فوقتاً شائع کیے، جو کہ محترم ڈاکٹر حمزہ مصطفائی کی وساطت سے دستیاب ہوئے ہیں انکے شکریہ کے ساتھ فتاوی بھکھی شریف میں بطور نمونہ شائع کیے جا رہے ہیں۔

(حضرت موسی علیہ السلام کا حضرت عزرائیل علیہ السلام کو طمانچہ مارنا)

السوال:

حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں عوام میں ایک بات مشہور ہے کہ آپ نے وصال کے وقت حضرت عزرائیل کو طمانچہ مارا، کیا یہ بات یقینی ہے؟

السائل: عبدالعزیز، ہری پور

الجواب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت عزرائیل کو طمانچہ مارنا بروایت بخاری ثابت ہے۔[1]

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

فتاویٰ بھکھی شریف

(فرض قرات کی مقدار)

السوال:

نماز کے جائز ہونے کے لیے فرض قرات کی مقدار کیا ہے؟

السائل: حامد لطیف، راولپنڈی

الجواب:

نماز میں قرات کی فرض مقدار ایک آیت لمبی یا تین آیات چھوٹی ہے اور یہ مسلک صاحبین کا ہے اور اسی کو ترجیح بھی حاصل ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب: وفاۃ موسیٰ علیہ السلام وذکرہ بعد، ج: 3، ص: 1250، حدیث نمبر: 3226

(ہوائی جہاز میں نماز کا مسئلہ)

السوال:

ہوائی جہاز میں نمازوں کا حکم کیا ہے؟

السائل: شاہد رانا، گوجرانوالہ

الجواب:



ہوائی جہاز اگر ائیرپورٹ پر کھڑا ہو تو اس میں نماز پڑھنا بلا شبہ جائز ہے، اس لیے کہ یہ نماز زمین پر پڑھنے ہی کے مترادف ہو گی لیکن دوران پرواز فرض اور واجب نماز کا قیام زمین پر استقرار نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہو گا، البتہ نفل نماز پڑھ لینے کا جواز ہے جیسا کہ سفر میں گھوڑے کی پشت پر نفل نماز جائز ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(سیدہ کا غیر سید سے نکاح کیسا؟)

السوال:

سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

تسلی بخش جواب عطا فرمائیں، اس سلسلہ میں علماء کے اقوال میں بڑا اضطراب پایا جاتا ہے۔

السائل: محمد خورشید، راولپنڈی

الجواب:



سیدہ کا نکاح غیر سید سے مطلقا تو جائز نہیں لیکن غیر سید اگر عالم متقی اور پرہیز گار ہو تو جواز کا فتوی دیا جائے گا یعنی مشروط بهذا الشرط، ورنہ سیدہ کی توہین اور بے ادبی ہو گی جو کہ سرا سر ناجائز ہے، بعض علماء نے مطلق حرام ہونے کا فتوی بھی دیا ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا نکاح ہر گز نہ کیا جائے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(نشہ آور گولیوں کا استعمال)

السوال:

نشہ آور گولیاں استعمال کرنے والے آدمی کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے نیز سگریٹ پینا کیسا ہے؟ بعض دفعہ یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ آمدن بہت قلیل ہوتی

ہے لیکن سگریٹ پھونکے جا رہے ہوتے ہیں، اس فعل میں تو بعض دین دار لوگوں کو بھی ملوث دیکھا گیا ہے۔

السائل: محمد رفیق، گوجرانوالہ

الجواب:



نشہ آور اشیاء کا استعمال حرام ہے لیکن شراب کے علاوہ دوسری چیزوں کی حرمت ''لغیرہ'' ہو گی۔ باقی رہے غیر نشہ آور سگریٹ تو یہ اسراف ہے جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِينَ .[1]

ترجمہ: بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

ازیں وجہ سگریٹ سے پرہیز ضروری ہے خصوصا جبکہ ایسا کرنے والا شخص دین دار بھی ہو یا تنگ دست ہو۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- سورہ: بنی اسرائیل، آیت نمبر: 27

(دی ہوئی طلاقیں یاد نہ ہوں تو؟)

السوال:

خاوند اگر بھول جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی ہیں تو اس صورت میں کتنی طلاقیں وقوع پذیر ہوں گی؟

السائل: خان زمان، علاقہ: تناول ہزارہ



الجواب:

خاوند کو اگر طلاقوں کی تعداد یاد نہ ہو تو گواہ ہونے کی صورت میں گواہوں سے دریافت کرلے ورنہ مطلقہ بیوی سے پوچھ گچھ کرے، اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(قبرستان میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا)

السوال:

قبرستان میں قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت جائز ہے یا نہیں؟

السائل: چوہدری محمد شوکت

الجواب:

قبرستان میں تلاوت قرآن مجید زبانی اور دیکھ کر ہر دو طرح جائز ہے، البتہ عدم صفائی یا کسی اور وجہ سے قرآن مجید کی بے حرمتی کا خطرہ ہو تو قرآن مجید قبرستان میں نہ لے جایا جائے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



(شش کلمہ کی اصل)

السوال:

شش کلمہ کا ثبوت کہاں سے ہے، کیا یہ بدعت نہیں؟

السائل: طاہر محمود قریشی، جہلم

الجواب:

شش کلمہ میں جو الفاظ پڑھے جاتے ہیں وہ متفرق طور پر آیات قرآن اور کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بدعت ہر گز نہیں۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(عذاب قبر کا ثبوت)

السوال:

عذابِ قبر کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا کیا عقیدہ ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو قیامت سے پہلے سزا دینا چہ معنی دارد؟ کیا قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہے جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے؟



السائل: شیر دل، راولپنڈی

الجواب:

اہل سنت و جماعت عذاب قبر کے قائل ہیں۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی بہت سی آیات سے ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ.

عنقریب ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (1)

یہاں پر دو مرتبہ عذاب دینا مذکور ہے جن میں سے ایک سے مراد عذاب قبر ہے۔

1- سورہ: توبہ، آیت نمبر: 101

باقی رہا قیامت سے پہلے کا معاملہ تو یہ واضح ہے کہ قبر میں تین سوال کیے جاتے ہیں اور جب کوئی شخص ہر سوال کے جواب میں لا ادری کہہ دے تو عند العقل بھی سزا بعید از جواز معلوم نہیں ہوتی۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



(مشائخ کی روحوں کی حاضری)

السوال:

بزازیہ میں ہے کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور تعلیم بھی دیتی ہیں ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔

السائل: صاحبزادہ محمد امین سیالوی، محمدی شریف

الجواب:

بحر الرائق میں بزازیہ کے حوالے سے ازیں معاملہ جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایسا کہنے والا اعتقادی طور پر مطلقا کافر ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ارواح مشائخ کو بالذات متصرف فی الامور عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے کفر میں واقعی کوئی

شک نہیں، کیونکہ اللہ کا یہ خاصا ہے جو کہ کسی غیر میں متصور نہیں ہو سکتا گو وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر اللہ کے دیے ہوئے اختیارات سے ارواح مشائخ تصرف کریں تو بلاشک وشبہ جائز ہے بلکہ اس کے وقوع پر بیشمار دلائل موجود ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور یہی تصرف اگر فوق عادت ہو اور انبیاء سے صادر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اگر اولیاء سے صادر ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(قطبی ستارے کے بارے میں غلط بات)

السوال:

قطبی ستارے کے بارے میں عوامی روایات کہاں تک درست ہیں، خصوصاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اس ستارے میں رہا، عوام میں شاید اسی وجہ سے کعبہ شریف کی طرح اس طرف بھی پاؤں نہیں کیے جاتے۔

السائل: محمد حنیف صغیر، گلگت

الجواب:

قطبی ستارے کے بارے میں عوامی روایات جہالت کا نتیجہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اس میں رہا، اس دعوی کی دلیل صحت کو نہیں پہنچتی کہ جس پر یقین کر کے اسے تسلیم کر لیا جائے۔



کعبہ شریف کی طرح لوگوں کا شمال جانب پاؤں نہ کرنا مسائل سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(غسل کے بعد دوبارہ وضو کی حاجت ہے یا نہیں)

السوال:

غسل کرنے سے کیا وضو ہو جاتا ہے یا نئے سرے سے وضو کی ضرورت پڑتی ہے؟

السائل: طارق محمود، ننگ بھاٹہ راولپنڈی

الجواب:

غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے اور اس وضو سے نماز پڑھنا بھی درست ہے مگر ایسے وضو کا ثواب نہیں ملتا اس لیے کہ نیت نہیں ہوتی۔ اگر غسل کے اندر وضو کی نیت ہو تو ثواب ضائع نہیں ہوتا۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



(رافضی کا ذبیحہ کھانا کیسا)

السوال:

رافضی کا ذبیحہ کھانا حلال ہے یا نہیں؟ بحوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔

السائل: محمود احمد چنوی، بصیرپور

الجواب:

رافضیوں کے کئی گروہ ہیں جن رافضیوں کا عقیدہ ان کو حد ارتداد تک پہنچا دیتا ہے ان کے ذبیحہ کی حرمت میں شک نہیں کرنا چاہیے اور وہ رافضی جن کا عقیدہ حد کفر تک نہیں پہنچتا ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(مکروہ تحریمی و تنزیہی میں فرق)

السوال:

مکروہ تحریمی و مکروہ تنزیہی میں کیا فرق ہے؟ ان کی تعیین کے لیے کون سا اصولی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔

السائل: سید فرحت عباس، راولپنڈی



الجواب:

مکروہ تحریمی قریب الحرام ہوتا ہے اس سے اجتناب ضروری ہے اور مکروہ تنزیہی کسی مسئلہ میں سنت مستحبہ کے ترک اور اولی کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتا ہے اس کے ارتکاب سے گناہ تو نہیں ہوتا، تاہم اجتناب اچھا ہے۔ ان کی تعیین کے لیے عوام میں اصولی طریقہ یہی ہے جس کو فقہائے کرام مکروہ تحریمی لکھیں اسے مکروہ تحریمی سمجھا جائے اور جس کو مکروہ تنزیہی لکھیں اسے تنزیہی باور کیا جائے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(اہل سنت سے قطع تعلق کرنے والے کا حکم)

السوال:

ایسا شخص جس نے بھری محفل میں کہا ہو کہ مجھے مذہب و مسلک سے نفرت ہے ، غالبا اس سے اشارہ اہل سنت و جماعت کی طرف کیا،ایسے شخص کے ساتھ تعلق و روابط عند الشرع کیسے ہیں۔

السائل: محمد انور، ہری پور ہزارہ



الجواب:

مذکورہ شخص کی نفرت اہل سنت و جماعت سے اگر عقیدہ اور مسلک کی بنا پر ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ من وجہ اس سے توحید ورسالت سے نفرت ہے اور یہ عقیدہ سے اسلام کی بنیاد ہیں۔ ہاں ! اگر اہل سنت سے نفرت کسی ایک شخص یا چند اشخاص کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے تواس میں حرج نہیں۔ کیونکہ مومن کی غیرت ایمانی بداعمالیوں سے اگر نفرت کرے تو یہ اس کے ایمان کامل کی دلیل ہے۔ پہلی صورت میں تعلقات چہ معنی دارد؟ اور دوسری صورت میں تعلقات کو غنیمت تصور کرنا چاہیے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(مسائل فقہیہ جاننے کے لیے بہترین کتاب)

السوال:

عام مسائل جاننے کے لیے کوئی کتاب تجویز فرمائیں۔

الجواب:

بہار شریعت موزوں کتاب ہے، اس کے مصنف حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(سجدہ تلاوت کا حکم)

السوال:

کیا سجدہ تلاوت ادا کرنا لازمی ہے؟

السائل: چودھری عبد الغفور، ڈھوک منگٹال

الجواب:

سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب اور لازمی ہوتا ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

(اسلام میں قومیت کا تصور)

السوال:

کیا اسلام میں قومیت کا تصور ہے؟ آل رسول کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اپنے نام کے ساتھ سید یا شاہ لکھ سکتا ہے، آل رسول نہ ہو اور سید کہلائے اس کی اقتداء میں نماز کیسی ہے؟



الجواب:

اسلام میں قومیت کا کوئی لحاظ نہیں بلکہ تقوی معتبر ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ. [1]

ترجمہ: یقینا اللہ کے نزدیک وہی بزرگ ہے جو متقی اور پرہیز گار ہو۔

عادۃً چونکہ لفظ سید اسی کے نام کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے جس کا تعلق نسبتاً اولاد رسول سے ہو، اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ سید لکھتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ آل رسول کہلانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ایک شرعی جرم ہے اور دروغ گوئی کا جرم اپنی جگہ ارشاد نبوی ہے:

1- سورہ: حجرات، آیت نمبر:13

مَنِ انْتَسَبَ اِلٰی غَیرِ أَبِیهِ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَه مِنَ النَّارِ

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور طرف منسوب کرے تو چاہیے کہ آگ میں ٹھکانا بنا لے۔

رہا لفظ شاہ تو ہمارے ملک میں یہ سید ہی کے مترادف استعمال ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں یہ قدر عام ہے غیر سید پر بھی بولا جاتا ہے عرف اور عادت کالحاظ رکھا جائے گا۔



ایسا شخص چونکہ فاسق معلن ہے اس لیے عند الفقہاء اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہو گئی۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

حضرت بدر الفقہاء رحمہ اللہ کے فتاوی

کتاب العقائد (عقائد کا بیان)



بارہ اماموں کی حقیقت اور ان کی وجہ تعظیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بارہ امام ہیں، ان کے علاوہ کوئی امام نہیں، وضاحت طلب امر یہ ہے کہ ان بارہ اماموں کی عزت واحترام کی وجہ کیا ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

امت محمدیہ میں صرف بارہ امام ہیں، ان کے علاوہ کوئی امام نہیں، یہ بات رافضی شیعہ کرتے ہیں، جنہیں کتابوں میں اثنا عشریہ یا امامیہ لکھا جاتا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بارہ امام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل اور معصوم ہیں، ان کا یہ عقیدہ کفریہ ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ غیر نبی جتنا بھی بلند مرتبہ ہو جائے، نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، چہ جائیکہ افضل ہو، اور انسانوں میں سے صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی معصوم ہیں، غیر نبی سے اگر کوئی گناہ سرزد نہ ہو تو وہ پھر بھی معصوم نہیں، اسے محفوظ کہتے ہیں۔

''امام صرف بارہ ہیں'' اس بات کی تردید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے اور حدیث پاک سے بھی۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات ہوئے تو اللہ تعالی نے انہیں فرمایا:

اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔۔۔ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں،



تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِي۔۔۔ اور میری اولاد سے،

تو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ۔۔۔ [1]

میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

یعنی اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلعتِ امامت سے نوازا تو آپ علیہ السلام نے عرض کی کہ میری اولاد کو بھی یہ شرف عطا ہو۔ تو ارشاد باری ہوا کہ ظالموں کے سوا باقی افراد آپ کی اولاد کے امام ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بہت نبی اور امام ہوئے ہیں، اور آپ کی نسل ہی سے عرب ہیں، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور انہی میں سے نبی

1- سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 124

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریش بھی شامل ہے، اور انہی میں سے 18 افراد وہ بھی ہیں جو میدان کربلا میں حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے ہوئے ان سے پہلے شہید ہوئے، جن میں سے کچھ آپ کے بھائی، کچھ بھتیجے اور کچھ بیٹے تھے۔



اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ ہو چکا کہ آپ کی اولاد سے صرف ظالموں کو امامت نہیں ملے گی، باقی تمام افراد امام ہوں گے تو حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ کے ساتھ شہید ہونے والوں کو کیوں امام نہ مانا جائے، کیا اللہ تعالیٰ کا وعدہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟ یا ان افراد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے ہوئے کوئی جرم کیا یا اس سے پہلے ان سے کوئی ایسا جرم ہوا جس سے وہ ایسے ظالم ہوئے کہ شہادت بھی ان کا وہ گناہ ان سے دور نہ کر سکی، یا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہ تھے، ایسا ہرگز نہیں۔

ان تینوں شقوں میں سے کوئی بھی نہیں، اس لیے ان تمام افراد کو بلکہ قیامت تک آنے والے ایسے تمام افراد کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہوں اور ظالم نہ ہوں، دوسروں کے لیے امام مانتے ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا. (1)

ترجمہ: اور جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔



اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اہلِ تقویٰ افراد کا امام بنا، تو ظاہر ہے کہ اگر کسی کو شرف امامت کا حصول ممکن نہ ہوتا تو یہ دعا کرنا لغو ہوتا اور یہ دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ سکھائی جاتی، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ بھی لوگ امام ہو سکتے ہیں۔

پھر حدیث پاک میں ہے کہ:

الأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ۔۔۔(2) امام قریش سے ہیں۔

ان بارہ میں تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھی شامل نہیں کیا جاتا بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بہت

1- سورہ: فرقان، آیت نمبر: 74

2- مسند احمد، ج: 3، ص: 129، حدیث نمبر: 12329

سے بڑے بڑے عالی مرتبت فرزندانِ دلبند شرف امامت سے محروم شمار کرنے پڑتے ہیں۔

لہٰذا یہ بات ایسی ہے کہ قرآن مجید اس کی تائید میں ہے نہ حدیث پاک، اس لیے یہ قول مردود ہے۔

اور ان کی تعظیم و تکریم اس لیے ہے کہ انہوں نے اپنی حیات طیبہ کو اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ کی اتباع میں گزارا اور اپنے زمانے میں فیضان نبوی کا منبع و مرکز رہے اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی ان کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے تھا۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى ى حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



کسی کو بغیر شرعی ثبوت کے مرزائی کہنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کے بارے میں چند لوگ شہادت کے انداز میں کہتے ہیں کہ وہ مرزائی ہے لیکن وہ سر عام اقرار نہیں کرتا اور اس کے قریبی عزیز و اقارب بھی اس کے مرزائی ہونے کا انکار کرتے ہیں، صورت مسؤلہ میں مذکورہ شخص کے رشتے داروں سے معاملات وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ متعلقہ آدمی بیرون ملک میں ہے۔



الجواب منه الهداية والصواب

اس شہادت کا کوئی اعتبار نہیں مگر یہ کہ اس کے کسی عمل یا قول پر شہادت ہو جو کہ انکار کے بعد ہو، کیونکہ اگر ارتداد ثابت بھی ہو جائے تو اس کا مرزائیت سے انکار ارتداد سے رجوع ہے اور مرتد پر رجوع ہی لازم کیا جاتا ہے، اگر رجوع نہ کرے تو پھر اس کے متعلق قتل کا حکم صادر ہوتا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

اَلْمُرْتَدُّ یعْرَضُ عَلَیْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَبي قُتِلَ .[1]

مرتد پہ اسلام پیش کیا جائے گا تو اگر وہ انکار کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔

لہٰذا اگر پہلے ہی ارتداد کا منکر ہو تو اسے کچھ نہ کہا جائے گا۔

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ:



مَوْقُوْفَةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيفَةَ إِنْ أَسْلَمَ نَفَذَ كَسَائِرِ تَصَرُّفَاتِهِ وَإِلَّا فَلَا. [2]

امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرتد کے تصرفات موقوف ہوں تو اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے ورنہ نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- ہدایہ، کتاب السیر، باب: احکام المرتدین، ج: 2، ص: 584

2- عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الوصایا، باب: وصیۃ الذمی، ج: 16، ص: 203

الاستفتاء

نعرہ تحقیق کو چھوڑ کر نعرہ حیدری لگانا / خلفائے راشدین کے مراتب



☆: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نعرہ تحقیق کو چھوڑ کر نعرہ حیدری لگاتا ہے اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

☆: خلفائے راشدین کا مقام، رتبہ اور شان کیا ہے اور ان کے مراتب کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کیا ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں حکم صادر فرمائیں۔

السائل: مولوی عبدالقیوم، ساکن: پھالیہ

الجواب منه الهداية والصواب

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مرتبہ خلافت کی ترتیب پر ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے مقام اور مرتبے میں بلند و برتر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، پھر

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم باقی تمام افراد بشریت سے افضل ہیں۔

شرح عقائد نسفی میں ہے کہ:

أَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ نَبِينَا أَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيقُ ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوْقُ ثُمَّ عُثْمَانُ ذُوْ النُّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِي الْمُرْتَضى وَخِلَافَتُهُمْ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ .(1)



افضل البشر انبیاء کے بعد حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذو النورین پھر حضرت علی المرتضی رضی عنہم ہیں اور ان کی خلافت اسی ترتیب پر ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

أَيُّ النَّاسِ خَيرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَبُوْ بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ، وَخَشِيتُ أَنْ يَقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ: ثُمَّ أَنْتَ؟ قَالَ: مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .(2)

1- شرح عقائد نسفی، ص:180-181-182

2- صحیح بخاری، کتاب: فضائل الصحابہ، ج: 3، ص: 1342، حدیث نمبر:3468

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ افضل کون ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ)، میں نے پھر عرض کی پھر کون؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ)، پھر فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اب فرمائیں گے کہ حضرت عثمان افضل ہیں، تو میں نے کہا کہ پھر آپ؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک مرد ہوں۔



حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ ، أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَه أَبُوْ بَكْرٍثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ .[1]

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان کو کہا کرتے تھے۔

بہارِ شریعت میں ہے کہ:

1- سنن ابی داؤد ، کتاب السنة، باب: فی التفضیل، ج:4، ص:337، حدیث نمبر:4630

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے اہل سنت و جماعت کی علامت دریافت کی گئی، فرمایا:

تَفْضِيلُ الشَّيخَينِ وَحُبُّ الخَتَنَينِ وَمَسْحُ الْخُفَّينِ.[1]

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو (تمام صحابہ سے) بزرگ جاننا اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کرنا۔



صواعق محرقہ میں ہے کہ:

وَالْحَاكِي لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ عَلَي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَتَقْدِيمِهِمَا عَلَي سَائِرِالصَّحَابَةِ جَمَاعَةٌ مِنْ أَكَابِرِ الأَئِمَّةِ مِنْهُمْ الشَّافِعِي رَضِي اللهُ تَعَالَي عَنْهُ.[2]

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی جمیع صحابہ کرام پہ فضیلت وتقدیم پہ صحابہ وتابعین کے اجماع کو اکابر آئمہ نے بیان کیا ہے ان میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

1- بہار شریعت، حصہ دوم، کتاب الطہارہ، باب: موزوں پر مسح کا بیان، ج:1، ص:362
2- صواعق محرقہ، الباب الثانی، ج:1، ص:172

نعرہ تحقیق نہ لگانا روافض کا کام ہے اور سنی آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یہ نعرہ چھوڑے، البتہ دونوں نعرے (نعرہ تحقیق و نعرہ حیدری) لگائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[1]

حضرت عمارہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَمَوَاقِفَ الْفِتَنِ .[2]

تہمت کے مواقع سے بچو۔



حضرت بدیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَقَامَ نَفْسَه مَقَامَ التُّهْمَةِ فَلاَ يَلُوْمَنَّ مَنْ أَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ .[3]

جو بندہ اپنے آپ کو تہمت کی جگہ کھڑا کرے تو وہ اس بندے کو برا نہ کہے جو اس سے برائی کا گمان رکھے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم

2- مصنف عبد الرزاق، کتاب الجامع، باب: ابواب السلطان، ج: 11، ص: 316، حدیث نمبر: 20643

3- مکارم الاخلاق، باب: مایستحب للمرء من التحرز ان یساء بہ الظن، ج: 1، ص: 475، حدیث نمبر: 445



میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرنے کے بارے میں تفصیلی فتویٰ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کو عیسائیوں کے دن اور ہندوؤں کی سالگرہ سے تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والا کافر ہو کر مرتا ہے، لہٰذا قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کریں کہ ایسا شخص توہین بارگاہ رسالت کا مرتکب ہوتا ہے کہ نہیں؟

السائل: حافظ محمد یوسف رضوی، ساکن: دو گنج ٹاؤن، لاہور

الجواب منه الهداية والصواب

میلاد النبی منانا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ .[1]

1- سورہ: یونس، آیت نمبر: 58

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے فضل و رحمت پہ خوشی منانے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے رحمت کاملہ اور نعمت عظمی ہے۔

دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا:



وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ .[1]

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے۔

اور اللہ تعالی نے نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا، اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَاهُ تَعْبُدُوْنَ .[2]

ترجمہ: اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا کہ:

1- سورہ: الانبیاء، آیت نمبر: 107

2- سورہ: نحل، آیت نمبر: 114

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ .[1]

ترجمہ: اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔

نعمت کے چرچا اور ذکر کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ .[2]



ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا کہ:

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ .[3]

ترجمہ: یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی کی نعمت پر شکر ادا کرنا اور اس کا ذکر کرنا جائز ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کی نعمت ہیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَي الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلًا .[4]

1- سورہ: ابراہیم، آیت نمبر: 14
2- (سورہ: الضحیٰ، آیت نمبر: 11)
3- (سورہ: البقرہ، آیت نمبر: 47)
4- (سورہ: آل عمران، آیت نمبر: 164)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی آیت "اَلَّذِینَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللهِ کُفْرًا" کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

هُمْ قُرَيْشٌ وَمُحَمَّدٌ صَلي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَةُ اللهِ [1]

وہ (اللہ کی نعمت کا انکار کرنے والے) قریش ہیں اور اللہ کی نعمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔



اور اسی آیت کریمہ کے تحت امام رازی لکھتے ہیں کہ:

بَعَثَ فِيهِمْ مُحَمَّدًا صَلي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يعْرِفُوْا قَدْرَ هَذِهِ النِّعْمَةِ . [2]

ان (قریش) میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر و منزلت کو نہ پہچانا۔

قرآن کریم کی آیات اور ان کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی رحمت و نعمت ہیں اور رحمت و نعمت کا شکر ادا کرنا، اس کا چرچا کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔

1- (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب: قتل ابی جهل، ج: 4، ص: 1462، حدیث نمبر: 3758)
2- (تفسیر کبیر، سورہ: ابراہیم، آیت نمبر: 28، ج: 9، ص: 248)

اسی طرح جس دن ان نعمتوں کا حصول ہو اس دن کو بطور خوشی منانا بھی قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ .(1)

ترجمہ: اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا۔

امام رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

أنه يعَبِّرُ بِالْأَيامِ عَنِ الْوَقَائِعِ الْعَظِيمَةِ الَّتِي وَقَعَتْ فِيْهَا .(2)



ایام سے مراد وہ عظیم واقعات ہیں جو ان ایام میں وقوع پذیر ہوئے۔

اور یہ کہنا کہ ''میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے سے کافر ہو کر مرتا ہے'' یہ صحابہ کرام، محدثین کرام، علمائے کرام، امت محمدیہ، حکومت اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر کہنے کے مترادف ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے میلاد کی خوشی منائی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1- (سورہ: ابراہیم، آیت نمبر: 5)
2- (تفسیر کبیر، ج: 9، ص: 210)

اِنَّ ذٰلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي وُلِدتُّ فِيْهِ وَأُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ .[1]

بے شک یہ وہ دن ہے جس میں میری پیدائش ہوئی اور مجھ پہ اسی دن قرآن مجید نازل ہوا۔

لہٰذا مذکورہ شخص نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر کہا اور توہین رسالت کا مرتکب ہوا اور اہانت رسول کرنے والا کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔



قرآن مجید میں ہے کہ:

اِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَه، لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا .[2]

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنی گستاخی کرنے والا بھی ملت اسلامیہ کے نزدیک واجب القتل ہے۔

1- (مستدرک، کتاب: تواریخ المتقدمین من الانبیاء، باب: ذکر نبی اللہ و روحہ، ج: 2، ص: 658، حدیث نمبر: 4179)

2- (سورہ: احزاب، آیت نمبر: 58)

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سُحْنُونٍ: أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ أَنَّ شَاتِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَنَقِّصُ لَه كَافِرٌ وَالْوَعِيدُ جَارٍ عَلَيْهِ بِعَذَابِ اللهِ لَه وَحُكْمُه عِنْدَ الْأَئِمَّةِ الْقَتْلُ وِمَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِه وَعَذَابِه كَفَرَ. (1)



حضرت محمد بن سحنون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علمائے کرام کا اس بات پہ اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اللہ کے عذاب کی وعید اس کے لیے جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

مَنْ قَصَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَذَي أَوْ نَقْصٍ مُعْرِضًا أَوْ مُصَرِّحًا وَانْ قَلَّ فَقَتْلُه وَاجِبٌ. (2)

جو بندہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی یا تنقیص کرنا چاہے تعریضاً ہو یا تصریحاً، اگرچہ کم ہی ہو اس کا قتل واجب ہے۔

1- (شفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوہ الاحکام، باب اول: فی بیان ماھو فی حقہ، ج: 2، ص: 134)

2- (شفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوہ الاحکام، باب اول: فی بیان ماھو فی حقہ، ج: 2، ص: 136)

امام جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ مَنْ قَصَدَ النَّبِي صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ فَهُوَ مِمَّن يَنْتَحِلُ الْإِسْلَامَ أَنَّه مُرْتَدٌّ يَسْتَحِقُّ الْقَتْلَ .(1)

اور مسلمانوں کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و ایذاء رسانی کا قصد کیا اور وہ اپنے آپ کو اسلام کی جانب منسوب کرتا ہے (مسلمان کہلواتا ہے) تو بے شک وہ مرتد ہے اور مستحق قتل ہے۔



یہاں یہ امر بھی مد نظر رہے کہ عام مرتد توبہ کرے اور دوبارہ اسلام قبول کرے تو اس کی توبہ معتبر ہو گی لیکن گستاخ رسول کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔

بحر الرائق میں ہے کہ:

كُلُّ مَنْ أَبْغَضَ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وسلم بِقَلْبِه كَانَ مُرْتَدًّا فَالسَّابُّ بِطَرِيْقٍ أَوْلَي ، ثُمَّ يُقْتَلُ حَدًّا عِنْدَنَا فَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُه فِيْ اِسْقَاطِهِ الْقَتْلَ .(2)

ہر وہ شخص جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دل میں بغض رکھتا ہے وہ مرتد ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا بطریق اولی مرتد ہے پھر ہمارے نزدیک اس شخص کو بطور حد قتل کیا جائے گا، اور قتل کے حکم کو ساقط کرنے میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

تعزیرات پاکستان میں ہے کہ:

1- (احکام القرآن، ج:4، ص:276)

2- (البحر الرائق، کتاب السیر، باب: احکام المرتدین، ج:13، ص:495)

پیغمبر اسلام کی شان میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا، جو کوئی الفاظ کے ذریعے، خواہ زبانی ہوں یا تحریری، یا نقوش کے ذریعے، یا کسی تہمت کے ذریعے، کنایہ یا درپردہ، تعریض کے ذریعے، بلاواسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔[1]



لہٰذا حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ مذکورہ شخص کو تعزیرات پاکستان کی شق C295- کے تحت قتل کی سزا دے کیونکہ اس شخص نے حکومت، مسلمانوں اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر کہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین واہانت کی ہے۔

چونکہ حکومت بھی میلاد مناتی ہے اور اس دن کی خوشی میں چھٹی کرتی ہے، اس لیے حکومت کو بھی اس نے بلاوجہ کافر کہا ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (تعزیرات پاکستان، C295-)

الاستفتاء

مرزا قادیانی کو کافر نہ سمجھے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان مسجد میں سپیکر پر اعلان کرے کہ مرزا قادیانی کافر نہیں ہے اور ان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے، مسجد کے خطیب امام صاحب مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں تو یہ خود کافر ہیں۔

ایسے شخص کے بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

مرزا غلام احمد قادیانی کو علمائے عرب و عجم نے کافر قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهِ وَعَذَابِهِ كَفَرَ۔ [1]

(مرزا قادیانی ایسا کافر ہے کہ) جو اس کے کافر ہونے اور عذاب میں مبتلا ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

1- (الشفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوه الاحکام، باب اول: فی بیان ماھو فی حقه، ج: 2، ص: 134)

لہٰذا جو اس کو کافر نہ سمجھے یا اس کو کافر کہنے والے کو اس کلام میں جھوٹا اور غلط کہے تو وہ خود کافر ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





عقائد کے چند متفرق مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

توہین الوہیت و توہین رسالت کا مفہوم اور اس کا شرعی حکم

☆: شان الوہیت و شان رسالت میں تنقیص کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز تنقیص کا مفہوم کیا ہے؟

تحریف قرآن

☆: تحریف قرآن کا مفہوم اور ارتکاب کرنے والے کا حکم کیا ہے؟

خلفاء ثلاثہ کی توہین

☆: خلفائے ثلاثہ کی حقانیت کا انکار اور انہیں غاصب کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ازواج مطہرات کی توہین

☆: ازواج مطہرات بالخصوص محبوبہ محبوب خدا کو سب و شتم کرنے والے اور انہیں موردِ الزام ٹھہرانے والوں کا شرعی حکم کیا ہے؟



مذکورہ گناہوں کے مرتکب شخص کو خطیب وامام مقرر کرنا کیسا؟

☆: اگر کوئی خطیب یا امام مسجد کہے کہ فقہ جعفریہ کے کسی فوت شدہ کی نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ وہ امام خود ان کی نماز جنازہ پڑھانے کا انکار کرتا ہو۔

مذکورہ عقائد رکھنے والے لوگوں اور ان عقائد والوں کو پیشوا اور رہنما و خطیب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

السائل: ظہور احمد تبسم، عبد الشکور رضوی، جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

☆: "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ للهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ"

اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، تمام تعریفیں اسی کے لیے خاص ہیں، کوئی معبود بر حق نہیں مگر وہی اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

ان کلمات میں سے کسی کے خلاف اس کی توحید و کبریائی یا کسی خوبی کی نفی یا کسی عیب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا تنقیص شان الوہیت ہے اور مخلوق کے لیے سب سے بلند مرتبہ رسالت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں، آپ کو سید الانبیاء والرسل نہ ماننا یا کسی عیب کی نسبت آپ کی طرف کرنا خواہ ذات میں یا نسب میں یا صفات وخصائل میں یا استہزاء واستخفاف کرنا وغیرہ سے تنقیص شان رسالت ہوتی ہے اور اس کے مرتکب کا حکم کفر وارتداد ہے اور سزا قتل ہے، اگرچہ توبہ کرے۔



قرآن مجید میں ہے کہ:

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللهَ وَرَسُوْلَه، وَمَنْ يُشَآقِّ اللهَ فَإِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ .[1]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے جدا رہے اور جو اللہ سے جدا رہے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

یہ حکم قتل ان پر اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح مخالفت کی۔

1- (سورہ: الحشر، آیت نمبر:4)

نیز ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللهِ وَ ايٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ. لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. (1)

ترجمہ: اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم مسلمان ہو کر کافر ہو چکے۔



علامہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

إِنَّ جَمِيعَ مَنْ سَبَّ النَّبِي صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَابَه أَوْ أَلْحَقَ بِه نَقْصًا فِي نَفْسِه أَوْ نَسَبِه أَوْ دِينِه أَوْ خَصْلَةٍ مِنْ خِصَالِه أَوْ عَرَضَ بِه أَوْ شَبَّهَه بِشَيْءٍ عَلَي طَرِيقِ السَّبِّ لَه أَوِ الازْرَاءِ عَلَيْهِ أَوْ التَّصْغِيرِ لِشَأْنِه أَوِ الْبُغْضِ مِنْهُ وَالْعَيبِ لَه فَهُوَ سَابٌّ لَه وَالْحُكْمُ فِيْه حُكْمُ السَّابِّ يُقْتَلُ كَمَا نُبَيِّنُه وَلَا نَسْتَثْنِي فَصْلًا مِنْ فُصُوْلِ هٰذَا الْبَابِ عَلَي هٰذَا الْمَقْصِدِ وَلَا نَمْتَرِي فِيْهِ تَصْرِيحًا كَانَ أَوْ تَلْوِيحاً۔(2)

1- (سورہ: التوبہ، آیات نمبر: 65-66)

2- (الشفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوہ الاحکام، باب اول: فی بیان ما ہو فی حقہ سب، ج: 2، ص: 133)

بے شک ہر وہ آدمی جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، یا آپ کی طرف کسی عیب کی نسبت کی، یا آپ کی ذات مقدسہ، یا آپ کے نسب مبارک، یا آپ کے خصائل میں سے کسی خصلت کی جانب نقص کی نسبت کی، یا آپ پر طعن کیا، یا جس نے بطریق گالی، اہانت، تحقیر شان، یا آپ کی طرف عیب کو منسوب کرنے کے لیے آپ کو کسی چیز سے تشبیہ دی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا ہے اور اس کا حکم گالی دینے والے کے حکم کی طرح ہے، اسے قتل کیا جائے گا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثناء نہیں کرتے، نہ ہم اس بات میں شک کرتے ہیں کہ چاہے توہین صراحتاً ہو یا کنایۃً۔



پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَهٰذَا كُلُّه اِجْمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَأَئِمَّةِ الْفَتْوٰي مِنْ لَّدُنْ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ إِلَي هَلُمَّ جَرًّا .[1]

یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر آج تک کہ علماء اور آئمہ فتوی کے اجماع سے ہے۔

☆: حکم کفر وارتداد ہے، اور منجد میں لکھا ہے کہ:

حَرَّفَ الْقَوْلَ .[2]

1- (الشفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوه الاحکام، باب اول: فی بیان ماھو فی حقہ سب، ج: 2، ص: 133)
2- (المنجد، ص:186)

بات کو بدل دینا، تبدیل کر دینا۔

حاشیہ عبدالحکیم علی البیضاوی میں ہے کہ:

فَالْمُرَادُ بِالتَّحْرِيفِ تَغْيِيرُالْمَعْنَي .... وَبِالتَّحْرِيفِ الزِّيَادَةِ فِيْهِ افْتِرَاءً وَبُهْتَانًا ..... وَالتَّحْرِيفُ التغْيِيرُ .[1]

پس تحریف سے مراد معنی کا بدلنا ہے، یا تحریف سے مراد ایسی زیادتی ہے جس میں جھوٹ یا بہتان کی نسبت متکلم کی طرف ہو۔ یا تحریف سے مراد مطلق تبدیلی ہے خواہ لفظ میں ہو یا معنی میں۔



☆: شیخین کریمین کو غاصب کہنے والا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر، دونوں کا حکم کفر و ارتداد ہے، اگر توبہ کر لے تو قتل نہ کریں گے اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

شفاء شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ:

اَنَّه لَا يَحِلُّ قَتْلُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ بِسَبِّ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ اِلَّا رَجُلًا سَبَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ سَبَّه فَقَدْ حَلَّ دَمُه .[2]

1- (تفسیر بیضاوی مع حاشیہ عبدالحکیم، ص: 15)

2- (الشفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوہ الاحکام، باب اول: فی بیان ماھو فی حقہ سب، ج: 2، ص: 138)

لوگوں میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں مگر اس کو قتل کرنا جائز ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، پس جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو اس کا خون بہانا حلال ہو گیا۔

☆: بحر الرائق میں ہے کہ:

وَبِقَذْفِه عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مِنْ نِسَاءِه صلي الله عليه وسلم فَقَطْ وَبِاِنْكَارِه صُحْبَةَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه بِخِلَافِ غيرِه وَبِاِنْكَارِه اِمَامَةَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ الله عَنْهُ عَلَي الأَصَحِّ كَاِنْكَارِه خِلَافَةَ عُمَرَ رَضي الله عَنهُ عَلي الأَصَحِّ .[1]



اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پہ تہمت لگانے سے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے انکار سے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے انکار سے اصح قول کے مطابق مرتد ہو جاتا ہے جیساکہ اصح قول کے مطابق خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے انکار سے۔

☆: شفاء شریف میں ہے کہ:

مَنْ شَكَّ فِي كُفْرِه وَعَذَابِه كَفَرَ.[2]

1- (البحر الرائق، کتاب السیر، باب: احکام المرتدین، ج: 13، ص: 478)
2- (الشفاء، القسم الرابع: فی تصرف وجوہ الاحکام، باب اول: فی بیان ماہو فی حقہ، ج: 2، ص: 134)

جواس کے کافر ہونے اور عذاب میں مبتلا ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر

ہے۔

چہ جائیکہ امام وخطیب بنایا جائے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





کتاب الطہارۃ (پاکیزگی کا بیان)

الاستفتاء

اگر کنوئیں میں چوہا گر جائے تو کنوئیں کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چکوں وہلی موضع وگھ تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم کی مرکزی جامع مسجد میں پانی کی ضروریات کے لیے ایک کنواں موجود ہے، جس سے بذریعہ موٹر پانی نکال کر وضو وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، رمضان المبارک سے قبل ایک صبح ایک چوہا (درمیانے سائز کا) کنویں میں گر کر مر گیا اور اسی روز پچھلے پہر چوہا کنویں سے نکال کر پھینک دیا گیا، چوہا جب نکالا گیا تو اس کے جسم پر کوئی زخم نہ تھا اور نہ اس کا جسم سوجا ہوا تھا، کنویں کے پانی کو پاک کرنے کی غرض سے مذکورہ مسجد کی انتظامیہ نے بذریعہ موٹر پانی نکالنا شروع کر دیا اور پانی کی سطح 5 فٹ نیچی ہو گئی، اسی روز بیک وقت دو موٹریں لگا کر مزید پانی خارج کرنا چاہا سات گھنٹے دو موٹریں چلائیں، پانی کی سطح کم ہو کر صرف 7 فٹ رہ گئی، کنویں میں پانی کی تیز آمدن کے باعث پانی کی مزید سطح کم کرنا ممکن نہیں۔ یاد رہے کہ کنویں میں کل پانی ساڑھے 18 فٹ گہرا ہے، لہٰذا بمطابق فقہ حنفی

فتوی جاری فرمایا جائے کہ مسجد کا کنواں پاک ہو گیا ہے یا کہ نہیں، اگر نہیں تو

ہمیں مزید کیا کرنا چاہیے؟

السائل: محمد صادق، ساکن: چکون والی موضع وگھ تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

ایسی صورت میں کنواں اور نالیاں وغیرہ سارا کچھ پاک ہو چکا ہے، اگر چوہا پھولا پھٹا نہ تھا اور اس کے جسم پہ کوئی زخم بھی نہ تھا تو صرف بیس ڈول پانی نکالنا کنواں پاک کرنے کے لیے کافی تھا۔



ہدایہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے کہ:

أَنَّه قَالَ فِي الْفَارَةِ: إِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهِ يَنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا.[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چوہے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جب وہ کنوئیں میں مر جائے اور اسی وقت نکال لیا جائے تو اس کنوئیں سے 20 ڈول پانی نکالا جائے گا۔ فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ہدایہ، کتاب الطہارۃ، فصل: فی البیر، ج:1، ص:41)



کتاب الصلاۃ (نماز کا بیان)



باب الاذان (اذان کا بیان)



اذان ٹھہر ٹھہر کر پڑھنی چاہیے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان لمبی پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟، یعنی جس طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ہوتی ہے اس طرح اذان پڑھنے کا کیا حکم ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

اذان لمبی لمبی پڑھنی چاہیے، فقہ کی کتابوں میں اذان کے متعلق ہے کہ:

وَيَتَرَسَّلُ فِي الْأَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْإِقَامَةِ. (1)

اذان ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور اقامت جلدی کہے۔

تو اس طرح اذان لمبی ہوئی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، ج: 1، ص: 86)



داڑھی منڈوانے والے کا اذان دینا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص داڑھی منڈواتا یا کترواتا ہے تو اسکی اذان اور تکبیر کے بارے میں کیا حکم ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے، اگر غیر فاسق موجود ہو تو وہ ہی اذان و اقامت کہے۔

بحر الرائق میں ہے کہ:

وَصَرَّحُوْا بِكَرَاهَةِ أَذَانِ الْفَاسِقِ مِنْ غَيرِ تَقْيِيدٍ بِكَوْنِه عَالِماً أَوْ غَيرَه ۔[1]

اور (علمائے کرام رحمہم اللہ نے) واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے چاہے وہ عالم ہو یا نہ ہو۔[2]

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: الاذان، ج: 3، ص: 3)
2- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: الاذان، ج: 3، ص: 3)



مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب منه الهداية والصواب



اذان فی نفسہ اعلان ہے اور اعلان مسجد میں کرنا مناسب نہیں، اس لیے اذان مسجد میں نہ دی جائے۔

بحر الرائق میں ہے کہ:

وَلَا يُؤَذِّنُ فِي الْمَسْجِدِ .[1]

اور اذان مسجد میں نہ دی جائے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، ج: 3، ص: 5)

الاستفتاء

اذان مغرب اور نماز مغرب کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان مغرب کے بعد انتظار ضروری ہے یا فوراً جماعت کھڑی ہونی چاہیے، جبکہ باقی نمازوں میں اذان کے بعد کچھ منٹ انتظار کیا جاتا ہے، جب سب مقتدی حضرات حاضر ہوں تو اسی وقت جماعت کھڑی کی جاسکتی ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

الجواب منه الهداية والصواب

مغرب کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے لیکن اذان و اقامت میں فاصلہ و امتیاز بہر حال ضروری ہے۔ دوسری نمازوں میں فرائض سے پہلے مؤکدہ یا غیر مؤکدہ سنتیں ہیں اس لیے دوسری نمازوں کی اذان و اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ضروری ہے کہ وہ سنتیں ادا کی جاسکیں اور بہتر ہے کہ اتنا فاصلہ ہو جو آدمی کھانا کھا رہا ہو یا پیشاب و پاخانہ کی اسے حاجت ہو تو وہ اس حاجت سے فارغ ہو کر طہارت کر کے جماعت کے ساتھ شریک ہو سکے۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ:

فَإِنْ كَانَتِ الصَّلٰوةُ مِمَّا يَتَطَوَّعُ قَبْلَهَا مَسْنُوْناً كَانَ أَوْ كَانَتْ مُسْتَحَبًّا يَفْصَلُ بَيْنَهُمَا بِالصَّلٰوةِ لِقَوْلِه صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ قَالَه ثَلَاثاً وَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ) فَإِنْ لَّمْ يَصَلِّ يَفْصَلُ بَيْنَهُمَا بِجَلْسَةٍ خَفِيفَةٍ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ بِه. (1)



اگر ایسی نماز ہے کہ اس سے پہلے سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ تو اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (دو اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان نماز ہے، یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور تیسری بار یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو چاہے) اگر اذان واقامت کے درمیان نماز نہ پڑھے تو کچھ دیر بیٹھ جائے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے۔ ہدایہ میں ہے کہ: وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ. (2)

اور اذان واقامت کے درمیان بیٹھے سوائے مغرب کے۔

جن دو دنوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نمازوں کی امامت کروائی، پہلے دن میں نماز اول وقت میں پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں، پھر فرمایا:

مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ كُلُّه. (3)

1- (عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، ج: 1، ص: 403)

2- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، ج: 1، ص: 88)

3- (صحیح ابن حبان، کتاب الصلوۃ، باب: مواقیت الصلوۃ، ج: 4، ص: 335، حدیث نمبر: 1472)

ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

اس حدیث پاک میں مغرب کی نماز دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں غروب آفتاب کے بعد پڑھنے کا بیان ہے۔

اس لیے فقہائے کرام نے مغرب کی نماز میں تاخیر کو مکروہ قرار دیا ہے لیکن اذان واقامت میں فاصلہ بھی ضروری ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فاصلہ معمولی سا کرے اور بیٹھے نہیں۔



عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ:

يستَحِبُّ أَنْ يفْصِلَ بَينَهُمَا بِسَكْتَةٍ قَائِماً مِقْدَارَ مَا يتَمَكَّنُ فِيْهِ مِنْ قِرَاءَةِ ثَلَاثِ آيَاتٍ قِصَارٍ أَوْ آيَةٍ طَوِيلَةٍ .[1]

مستحب یہ ہے کہ مغرب کی اذان واقامت میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کی مقدار کے مطابق کھڑے ہو کر فاصلہ کرے۔

<u>فقط</u>

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، ج:1، ص:403)

الاستفتاء

فرض نماز کے فوراً بعد کلمہ طیبہ کا ذکر بالجہر کرنا

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرض نماز کے فوراً بعد کلمہ طیبہ کا ذکر بالجہر کرنا کیسا ہے؟



بعض علماء ذکر کرواتے ہیں اور بعض نہیں کرواتے اور بعض لوگ تو منع بھی کرتے ہیں، صحیح مسئلہ بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

السائل: حاجی احمد خان، کوٹ جٹاں، آزاد کشمیر

الجواب منه الهداية والصواب

ذکر خداوندی نماز و غیر نماز میں، قیام و قعود تمام حالات میں سراً و جہراً، اکیلے و مجمع عام اور لیل و نہار تمام اوقات میں، جب تک کسی خاص ذکر کی ممانعت جزوی طور پر وارد نہ ہو مستحب ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ .[1]

1- (سورہ: انفال، آیت نمبر: 45)

اور اللہ کی یاد بہت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

تو کثرت ذکر عموم الفاظ و اوقات و ذاکرین کے حالات عامہ میں ذکر کر کے جواز کا تقاضا کرتی ہے، حتی کہ آدمی ناپاک ہو تو تب بھی ہر کام شروع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ سکتا ہے۔

قرآن کریم بھی ذکر ہے، نماز عید، نماز جمعہ، نماز مغرب، نماز عشاء اور نماز فجر میں اس کا جہراً قرات کرنا واجب ہے اور ایام تشریق میں ہر نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنا اور حج کے ایام میں حالت احرام میں وادی میں چلتے پھرتے، پہاڑی پہ اترتے چڑھتے بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا سب اذکار ہیں۔



علاوہ اس کے جو کام نماز کی حالت میں صحیح ہو اور بے وضو بھی صحیح ہو اس کو نماز کے متصل بعد کیسے ناجائز کہہ سکتے ہیں، اگر خصوصی جزئیہ کی ممانعت شریعت مطہرہ میں بیان ہو تو منع کر سکتے ہیں لیکن اس کی دلیل چاہیے۔

نماز کے بعد دعا کی جاتی ہے جو کہ مخصوص ذکر ہے اور دعا کے متعلق فقہائے کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ دعا کا خفی ہونا بہتر ہے، لیکن پھر آواز سے دعا مانگنے سے منع نہیں فرمایا۔

بلند آواز سے ذکر کرنے کے کئی فوائد ہیں:

☆: ذکر جہر سے شیطان دور ہوتا ہے۔

☆: قلب کو حضور حاصل ہوتا ہے۔

☆: سستی، کاہلی ختم ہوتی ہے۔

☆: جہاں تک آواز پہنچے گی ہر چیز ذاکر کے لیے روز قیامت گواہ ہو گی۔

☆: جتنے لوگ ذکر کرنے والے کی آواز کو سنیں گے ان کو اس کی آواز ذکر کی طرف متوجہ کرے گی تو ان میں سے جو بھی ذکر میں مشغول ہو گا اسے بھی ثواب حاصل ہو گا، پہلے آواز سے ذکر کرنے والے کو بھی اور دوسروں کو بھی ایک نیک کام میں لگانے کا ثواب بھی حاصل ہو گا۔



☆: کم از کم آواز سے ذکر کرنے سے کچھ لوگ سن کر ثواب پائیں گے۔

یہ فوائد ذکر خفی سے حاصل نہیں ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه وسلم بِالْتَكْبِيرِ .[1]

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مکمل ہونا تکبیر سے معلوم کرتے تھے (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے خاتمے پر بلندی سے کہتے تھے)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

1- (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب: الذکر بعد الصلوۃ، ج: 2، ص: 91، حدیث نمبر: 1344)

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وسلم إِذَا سَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَه لَا شَرِيكَ لَه لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. [1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو: ''لا إله الا الله وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو علي كل شيء قدير'' پڑھتے تھے۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



فجر کی جماعت شروع ہو تو سنت فجر پڑھنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے اور ایک شخص بعد میں آئے تو اب وہ جماعت کے ساتھ مل جائے یا سنتیں ادا کر کے جماعت کے ساتھ ملے؟

1- (سنن النسائی، کتاب صفۃ الصلوۃ، باب: التہلیل بعد التسلیم، ج:1، ص:398، حدیث نمبر:1262)

الجواب منه الهداية والصواب

اگر امید ہو کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہو سکے گا تو پھر فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہو لیکن جہاں جماعت ہو رہی ہے اس سے علیحدہ کچھ فاصلے پر سنتیں ادا کرے۔

اگر سنتیں ادا کرنے سے جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو جماعت کے ساتھ شریک ہو جائے اور نماز اشراق کا وقت شروع ہو جانے پر سنتیں ادا کرے۔



حضرت ابو مخلد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ امام نماز پڑھا رہا تھا:

فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ .[1]

1- (شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب: الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر، ج: 1، ص: 374، حدیث نمبر: 2039)

تو حضرت عبد اللہ بن عمر تو صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے، جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، جب سورج طلوع ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔تو ہم کہتے ہیں کہ جماعت میں شمولیت کی امید ہو تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کیا جائے ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اپنایا جائے۔



حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

كُنَّا نَأْتِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَنُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ .(1)

ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس فجر کی دو سنتیں ادا کرنے سے پہلے آتے تھے حالانکہ آپ جماعت کروا رہے ہوتے تھے پس ہم مسجد کے کنارے پر فجر کی سنتیں ادا کرتے تھے پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے تھے۔

1- (شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب: الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر، ج: 1، ص: 376، حدیث نمبر: 2046)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جماعت کھڑی ہو تو مسجد میں جماعت سے کچھ فاصلے پر سنتیں ادا کی جاسکتی ہیں اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





نماز قصر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

[الف]: ایک آدمی فیصل آباد کا رہائشی ہے، آبائی گھر فیصل آباد میں ہے اور گھر والے وہیں سکونت پذیر ہیں، وہ آدمی ملازمت کے سلسلے میں فیصل آباد سے 190 کلو میٹر دور ہے، منڈی بہاؤالدین میں اپنے بچوں و بیوی کے ساتھ عارضی طور پر رہائش پذیر ہے، مستقل طور پر رہنے کا ارادہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی ملازمت کا پتا ہے کہ وہ کب تک ہے ایک ماہ یا دس سال، وہ آدمی منڈی بہاؤالدین سے ہر 12 یا 13 دن بعد گھر واپس چلا جاتا ہے، ان حالات میں کیا وہ منڈی بہاؤالدین

میں قیام کے دوران قصر نماز پڑھے گا؟ اگر 15 دن سے زیادہ منڈی بہاؤالدین میں قیام کرنے کا ارادہ ہو تو کیا وہ پوری نماز پڑھے گا؟

(ب): ایک آدمی فیصل آباد سے منڈی بہاؤالدین 180 کلو میٹر دور نماز قصر پڑھتا ہے یعنی اس کا 15 دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہے، اگر وہ منڈی بہاؤالدین سے دور گجرات ایک دن کے لیے جاتا ہے تو کیا نماز قصر پڑھے گا یا پوری؟



(ج): اگر وہ منڈی بہاؤالدین میں پوری نماز پڑھتا ہے یعنی اس کا ارادہ پندرہ دن سے زیادہ رہنے کا ہے تو اس صورت میں وہ اگر منڈی بہاؤالدین سے گجرات ایک دن کے لیے 50 کلو میٹر دور جائے گا تو کیا وہ نماز قصر پڑھے گا یا پوری؟

(د): اگر وہ منڈی بہاؤالدین میں پوری نماز پڑھتا ہے اور وہاں سے ایک دن کے لیے 100 کلو میٹر دور پنڈی چلا جاتا ہے تو اس صورت میں کون سی نماز پڑھے گا؟

(ر): ایک آدمی 150 کلو میٹر دور جانا چاہتا ہے مگر ہر 50 کلو میٹر کے فاصلے پر وہ ضروری کام سے رکتا ہے تو کیا دورانِ سفر وہ پوری نماز پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ اور آخری قیام پہ پہنچ کر وہ کون سی نماز پڑھے گا؟

فرض کیا وہ سیر کے لیے جاتا ہے اور ہر 50 کلو میٹر کے فاصلے پر تفریح کے لیے رکتا ہے تو وہ کونسی نماز پڑھے گا اور منزل پر پہنچ کر کون سی نماز پڑھے گا؟

الجواب منه الهداية والصواب

آپ نے اپنے سوال کا جواب ایسے الفاظ میں طلب کیا ہے کہ جواب میں وطن اصلی یا وطن اقامت وغیرہ کی فقہی اصطلاحات استعمال نہ ہوں، لہٰذا آپ کی طلب کے مطابق صرف مسئلہ لکھا جائے گا اور کسی فقہی کتاب کی عبارت بطور حوالہ درج نہیں کی جائے گی کیونکہ فقہ کی ہر کتاب میں اس مسئلہ کا بیان اُنہی فقہی اصطلاحات کے ساتھ کیا گیا ہے جن کے لکھنے سے آپ نے منع کیا ہے۔



1: اگر منڈی بہاؤالدین میں ایک دفعہ 15 دن یا زیادہ رہنے کا ارادہ کر لیا تو وہ پوری نماز پڑھے گا، اگرچہ 15 دن وہاں نہ رہ سکے بلکہ دو دن بعد ہی اسے کسی اور جگہ جانا پڑے نیز اس ارادے کے بعد اگر 12 یا 13 دن بعد واپس چلا جایا کرے، اگر منڈی بہاؤالدین میں کسی مکان کا تالا چابی رکھتا ہے یعنی اس مکان پر قابض ہے اور کچھ سامان بھی وہاں رکھا ہے تو وہ واپس آکر بھی پوری نماز پڑھے گا۔

اگر ایک بار بھی 15 دن یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں کیا تو فیصل آباد سے منڈی بہاؤالدین آنے کے ارادے سے جب آئے گا تو واپس فیصل آباد شہر کی

حدود میں داخل ہونے تک نماز قصر ہی پڑھے گا، اگرچہ کسی وجہ سے اسے منڈی بہاؤالدین میں ایک ماہ یا ایک سال ٹھہرنا پڑے۔

2: (ا): قصر کرے گا۔

(ب): اگر منڈی بہاؤالدین میں بیوی، بچے یا سامان ہے تو پوری پڑھے گا ورنہ قصر کرے گا۔



(ج): منڈی بہاؤالدین سے باہر نکل کر واپس منڈی بہاؤالدین پہنچنے تک قصر کرے گا۔

3: اگر گھر سے چلتے ہوئے اس کا ارادہ آخری منزل تک سفر کرنے کا ہو تو اگرچہ راستے میں کئی مقامات پر 10 یا 12 دن بھی ٹھہرے تو گھر واپس پہنچنے تک نماز قصر ہی پڑھے گا جبکہ منزل مقصود یا کسی اور مقام پر 15 دن یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اگر سفر شروع کرتے وقت اس کا ارادہ پہلے پڑاؤ پر پہنچنے کا ہو اور اسی طرح دوسرے اور تیسرے پڑاؤ تک علیحدہ علیحدہ سفر کا ارادہ ہو تو گھر واپس لوٹنے تک ہر جگہ پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ میں فرق

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر و عشاء کی غیر مؤکدہ سنتوں میں درمیان والا تشہد بمع درود اور دعا پڑھا جاتا ہے اور تیسری رکعت ثناء سے شروع کی جاتی ہے جبکہ مؤکدہ سنتوں میں اس طرح نہیں تو اس فرق پر دلیل شرعی عطافرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔



السائل: ڈاکٹر خوشی محمد، ساکن: سوہاوہ

الجواب منه الهداية والصواب

سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ اصل میں نفل اور فرائض و واجبات سے مشابہت رکھتی ہیں، اس لیے ان میں دونوں جہتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے فرض و واجب کی حیثیت سے قعدہ اولی میں درود پاک اور دعا نہ پڑھنا، جبکہ نفل کی حیثیت سے سنت غیر مؤکدہ میں درود پاک پڑھنا اور دعا کرنا بہتر قرار دیا گیا ہے کیونکہ نفل اگرچہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ تک بھی پڑھے جا سکتے ہیں لیکن ان میں دوسری، چوتھی، چھٹی اور آٹھویں رکعت کا ہر قعدہ آخری قعدہ شمار کیا جاتا ہے اور آخری قعدہ میں درود و دعا سنت ہے۔

لہٰذا جو صورۃً آخری نہ ہو اور حقیقت میں آخری قعدہ ہو اس میں بھی درود اور دعا کا پڑھنا بہتر ہے اور سنت مؤکدہ میں فرض وواجب سے عملی مشابہت کے پیش نظر درود اور دعا نہ پڑھنے کا حکم ہے۔

درمختار میں ہے کہ:

(وَلَا يصَلِّي عَلَي النَّبِي فِي الْقَعْدَةِ الْأُوْلَي فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا) وَلَوْ صَلَّي نَاسِياً فَعَلَيْهِ السَّهْوُ وَقِيلَ لَا. (وَلَا يسْتَفْتِحُ إذَا قَامَ إلَي الثَّالِثَةِ مِنْهَا) أَشْبَهَتِ الْفَرِيضَةَ (وَفِي الْبَوَاقِيْ مِنْ ذَوَاتِ الْأَرْبَعِ يصَلِّي عَلَي النَّبِي وَيسْتَفْتِحُ) وَيتَعَوَّذُ وَلَوْ نَذْراً لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ .[1]



(اور ظہر اور جمعہ کی پہلی چار اور بعد والی سنتوں میں قعدہ اولی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود نہ پڑھے) اور اگر بھول کر پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لازم نہیں، (اور تیسری رکعت کو ثناء سے شروع نہ کرے) فرض سے مشابہت کے پیش نظر (اور جو باقی چار رکعتوں والی سنتیں ہیں ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود بھی پڑھے اور تیسری رکعت کو ثناء سے شروع کرے) اور تعوذ بھی پڑھے اگرچہ نذر مان کر نفل اپنے ذمے لازم کرے (تو اگر ایک سلام سے زیادہ نفل پڑھے تو ان میں بھی سنت غیر مؤکدہ والا طریقہ اختیار کرے) کیونکہ ان کی ہر دو رکعتیں مستقل نماز ہیں

1- (درمختار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل، ج:2، ص:17)

۔بحر الرائق میں ہے کہ:

أَنَّ السُّنَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فِي قُوَّةِ الْوَاجِبِ .[1]

بے شک سنت مؤکدہ قوت میں واجب کی طرح ہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





فجر کی سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھی جائیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فجر کی جماعت کے ساتھ التحیات میں شامل ہو گیا، وہ فجر کی سنتیں نہ پڑھ سکا، اب وہ شخص فجر کی سنتیں کب پڑھے گا؟

السائل: سید اظہر حسین

1- (بحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب: سنن الوضوء، ج: 1، ص: 74)

الجواب منه الهداية والصواب

سورج نکل کر خوب روشن ہو جائے یعنی نماز اشراق کا وقت شروع ہو جائے تو اب وہ سنتیں پڑھ سکتا ہے۔

حضرت ابو مخلد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ امام نماز پڑھا رہا تھا:



فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّي رَكْعَتَينِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَه فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَينِ .[1]

تو حضرت عبد اللہ بن عمر تو صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے، جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، جب سورج طلوع ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

1- (شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب: الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر، ج: 1، ص: 374، حدیث نمبر: 2039)

لہٰذا اگر فرضوں سے پہلے سنتیں نہ پڑھ سکے تو پھر سورج طلوع ہونے کے بعد روشن ہونے پر پڑھے، البتہ وہیں بیٹھے رہنا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





وقت شروع ہونے سے نماز پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ظن (گمان) کے مطابق جنگل میں نماز شروع کی جو کہ نماز مغرب تھی، فرض ادا کر لینے کے بعد وہ سنت کی نیت باندھ چکا تھا تو اس کو اذان مغرب سنائی دی، اب اس کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے، آیا وہ شخص ابتداء سے نماز پڑھے یا اس کی نماز ہو گئی یا وہ قضا کرے؟

الجواب منه الهداية والصواب

اگر حکم شرع کے مطابق نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو چکا تھا اور مؤذن نے اذان پڑھنے میں تاخیر کی تو نماز صحیح ہو گی اور اگر نمازی نے وقت نماز شروع ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دی تھی تو نماز نہ ہوئی، لہٰذا دوبارہ پڑھنا لازم ہے، اسی وقت پڑھ لے اور اگر وقت گزر گیا تو قضا کر لے اور عام حالات میں احتیاط یہ ہے کہ اسی وقت اذان کے بعد پھر فرض پڑھے اور اس کے بعد سنتیں ادا کرے۔



قرآن پاک میں ہے کہ:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا. [1]

ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ وقت پہ فرض ہے۔

اور مغرب کا وقت یہ ہے کہ:

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ. [2]

مغرب کی نماز کا اول وقت غروب آفتاب ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: نسائی، آیت نمبر: 103)

2- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب المواقیت، ج: 1، ص: 78)

الاستفتاء

رفع یدین کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رفع یدین جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رفع یدین کرتے تھے اور امام اعظم ابو حنیفہ رفع یدین نہیں کرتے تھے؟



السائل: حافظ طفیل

الجواب منه الهداية والصواب

تکبیر تحریمہ، دعا قنوت اور عید کی زائد تکبیروں کے وقت رفع یدین سنت ہے اور باقی تمام نمازوں میں کسی جگہ رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے اور یہ منع ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق رکوع وسجدہ سے پہلے اور بعد رفع یدین کرنا افضل قرار دیا جو کہ ان کی اجتہادی غلطی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کے اجتہاد کی صحت پر ترمذی، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ کی روایت موجود ہے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں؟:

فَصَلّي فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيهِ اِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ .[1]

پس آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھی تو صرف شروع میں ایک دفعہ رفع یدین کیا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم



وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



عمامہ شریف باندھنے کا طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمامہ شریف اس طرح باندھے کہ ٹوپی کا درمیانہ حصہ بغیر عمامہ کے ہو، تو اس حالت میں امامت جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

السائل: فیض الحسن، مانگٹ

1- (جامع ترمذی، ابواب الصلوۃ، ج:2، ص:40، حدیث نمبر:257)

الجواب منه الهداية والصواب

عمامہ شریف باندھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ گنبد نما ہو۔

اور درمیان سے سر دستار سے خالی ہو تو یہ اعتجار ہے، ٹوپی ہو یا نہ ہو اور اعتجار مکروہ ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





عمامہ میں اعتجار مکروہ ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو اعتجار مکروہ ہے اس میں سر پر ٹوپی ہو اور اس کے ارد گرد پگڑی باندھ دی جائے تو یہ صورت بھی شامل ہے یا نہیں؟

السائل: علامہ محمد صادق، قادر آباد

الجواب منه الهداية والصواب

اعتجار کے دو معنی ہیں:

☆: عورتوں کی طرح نقاب کرنا۔

☆: دستار یا رومال سر کے گرد لپیٹنا اور درمیانی حصہ اس سے خالی رکھنا، سر پر ٹوپی ہو یا نہ ہو اور یہ سبھی صورتیں مکروہ ہیں۔



بحر الرائق میں بحوالہ ظہیریہ ہے کہ:

وَيُكْرَهُ الْإِعْتِجَارُ وَهُوَ لَفُّ الْعَمَامَةِ حَوْلَ رَأْسِه وَابْدَاءُ الْهَامَةِ كَمَا يَفْعَلُهُ الشُّطَّارُ.[1]

اعتجار مکروہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ عمامہ کو سر کے ارد گرد لپیٹنا اور چوٹی ننگی رکھنا جیسا کہ شاطر اور شرارتی لوگ کرتے ہیں۔

اور بحر الرائق میں ہی بحوالہ محیط ہے کہ:

وَيُكْرَهُ الْإِعْتِجَارُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهي عَنْهُ وَهُوَ أَنْ يُكَوِّرَ عَمَامَتَه وَيَتْرُكَ وَسْطَ رَأْسِه مَكْشُوْفاً كَهَيْئَةِ الْأَشْرَارِ.[2]

1- (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: عقص شعر الراس فی الصلوۃ، ج: 4، ص: 128)
2- البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: عقص شعر الراس فی الصلوۃ، ج: 4، ص: 128

اور اعتجار مکروہ ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتجار سے منع فرمایا ہے اور اس کی صورت یہ ہے عمامہ کو سر کے اردگرد لپیٹ لیا جائے اور سر کا درمیانی حصہ کھلا چھوڑ دیا جائے جیسا کہ شرارتی لوگ کرتی ہیں۔

فتح القدیر میں ہے کہ: وَيكْرَهُ الْاِعْتِجَارُ أَنْ يلُفَّ الْعَمَامَةَ حَوْلَ رَأْسِه وَيدَعَ وَسْطَهَا كَمَا تَفْعَلُهُ الدَّعَرَةُ.[1]



اور اعتجار مکروہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ عمامہ کو سر کے اردگرد لپیٹ لے اور سر کا درمیانی حصہ چھوڑ دے جیسا کہ شرار کرتے ہیں۔
ہمارے زمانہ کے تانگہ کے کوچوان اور گاڑیوں کے ڈرائیور قسم کے لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ اعتجار ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ:

وَيكْرَهُ الْاِعْتِجَارُ وَهُوَ شَدُّ الرَّأْسِ بِالْمِنْدِيلِ أَوْ تَكْوِيرُ عَمَامَتِه عَلَي رَأْسِه وَتَرَكَ وَسْطَهَا مَكْشُوْفاً.[2]

اور اعتجار مکروہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سر کو رومال سے باندھا جائے یا عمامہ کو سر پہ ایسے لپیٹا جائے کہ سر کا درمیانی حصہ خالی ہو۔

مراقی الفلاح کے حاشیہ میں ہے کہ:

1- فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب: ویکرہ للمصلی ان یعبث ثوبہ او بجسدہ، ج: 2، ص: 316
2- مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل: فی المکروہات، ج: 1، ص: 473

وَالْمُرَادُ أَنَّه مَكْشُوْفٌ عَنِ الْعَمَامَةِ لَا مَكْشُوْفٌ اَصْلاً لِأَنَّه فِعَلَ مَا لَا يفْعَلُ .[1]

جو اعتجار مکروہ ہے اس میں درمیانی حصہ کے کھلے رہنے سے مراد درمیانی حصہ پہ عمامہ نہ ہونا ہے، یہ مراد نہیں کہ درمیانی حصہ بالکل ننگا ہو کیونکہ نمازی لوگ اس طرح کی پگڑی نہیں بناتے۔

لہذا جن لوگوں نے ٹوپی کے اردگرد پگڑی باندھنے کو اعتجار سے خارج تصور کیا ہے ان سے غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے درمیانی حصہ کے مکشوف ہونے کا معنی بالکل ننگا سمجھا ہے۔



حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا:

فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَينَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَي الْقَلَانِسِ .[2]

ہمارے اور مشرکین کے درمیان (ایک) فرق (ہمارے) عمامہ کا ٹوپیوں پر ہونا ہے۔

تو اس حدیث شریف سے جس طرح ٹوپی کے بغیر دستار سے نماز کی کراہت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح دستار کے ٹوپی کے اردگرد ہونے اور اوپر نہ ہونے سے بھی نماز کی کراہت ثابت ہے کہ دستار کو ''حَوْلَ الْقَلَانِسِ'' نہ فرمایا بلکہ ''عَلَي الْقَلَانِسِ'' یا ''فَوْقَ الْقَلَانِسِ''فرمایا۔

1- (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل: فی المکروہات، ج: 1، ص: 473)

2- (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب: فی العمائم، ج: 4، ص: 95، حدیث نمبر: 4080)

فرض نماز میں کتنی قرات مستحب ہے؟

فقط

ھذا ما عندي واللہ تعالی أعلم

وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ محمد وآلہ وأصحابہ وسلم





فرض نماز میں کتنی قرات کافی ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

1: اگر امام صاحب پہلی رکعت میں '' وَمِنَ النَّاسِ'' سے ''مَا يَشْعُرُوْنَ'' تک پڑھاتے ہیں اور دوسری رکعت میں ''فِيْ قُلُوْبِهِمْ'' سے لیکر ''بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ'' تک پڑھاتے ہیں، یہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

2: خطبے کا کیا حکم ہے؟ کیا ''اَلْحَمْدُ لله'' پڑھ لینے سے خطبہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب منہ الھدایۃ والصواب

1: ان آیات کی تلاوت سے نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ نماز کی پہلی رکعت میں ایک آیت جو تین آیتوں کے برابر ہو یا تین آیات پڑھنی چاہیں اور مذکور کی پہلی رکعت تین آیتوں کے برابر ہے اور دوسری رکعت اس کی مثل یا اس سے کم ہو۔

2: جمعہ کا خطبہ فرض ہے، ہدایہ میں ہے کہ:

وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّهُ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَارْتِجَ عَلَيْهِ فَنَزَلَ وَصَلّٰي .[1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں "الحمد للہ" پڑھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی تو آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





مسجد میں نماز کے بعد درس دینا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز کے بعد مسجد میں درس قرآن وحدیث یا درس فیضان سنت دینا، شرعاً کیسا ہے؟

السائل: قاری محمد شریف، بھکھی شریف

1- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: الجمعہ، ج: 1، ص: 178)

الجواب منه الهداية والصواب

جائز ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ:

وَهٰذَا الْإِطْلَاقُ فِي الْكَرَاهَةِ بِنَاءً عَلَي أَنَّ الْمَسْجِدَ إِنَّمَا بُنِيَ لِلصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ وَتَوَابِعِهَا مِنَ النَّوَافِلِ وَالذِّكْرِ وَتَدْرِيسِ الْعِلْمِ .[1]



(میت مسجد میں ہو یا نمازی مسجد میں ہوں یا دونوں چیزیں مسجد میں ہوں) ہر طرح سے یہ جنازہ مکروہ ہے کیونکہ مسجد تو فرض نمازوں، نوافل، ذکر اور تدریس کے لیے بنائی گئی ہے۔

لہذا جن کاموں کے لیے مسجد بنائی گئی ہے وہ کام مسجد میں کرنا، مسجد کی تعمیر کی غرض وغایت کے مطابق ہے، بلا شبہ جائز ہے اور جنازہ اس کام کے لیے نہیں ہے اس لیے مکروہ ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب: فی الصلوۃ علی المیت، ج: 3، ص: 397)

الاستفتاء

لاؤڈ سپیکر میں نماز باجماعت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سپیکر میں فرض و نفل کی جماعت کرنے کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

السائل: محمد جاوید



الجواب منه الهداية والصواب

ناجائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا .[1]

ترجمہ: اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو، نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: بنی اسرائیل، آیت نمبر: 110)

الاستفتاء

نمازی کے پاس بلند آواز سے ذکر کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازی کے پاس بآواز بلند ذکر کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

عموماً ذکر جہری از وئے شرع مطہرہ جائز ہے اور بعض اوقات واجب، اور نمازی کے پاس ایسا ذکر جو واجب نہ ہو ایسی آواز میں کرنا کہ نمازی کے لیے یقینی طور پر نماز خراب کرنے والا ہو، منع ہے یعنی جہر مفرط منع ہے اور کسی خاص جزئیہ کو ناجائز و ممنوع کہنے کے لیے نص یا اجماع درکار ہے، ورنہ منع نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كُنْتُ أَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِي صلي الله عليه وسلم بِالتَّكْبِيرِ. [1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مکمل ہونے کو میں تکبیر کی آواز سے پہچانتا تھا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (صحیح بخاری، کتاب: صفۃ الصلوۃ، باب: من لم یرد رد السلام علی الامام، ج: 1، ص: 288، حدیث نمبر: 806)



باب الامامۃ (امامت کے مسائل کا بیان)

الاستفتاء

غیبت کرنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد بات کو بڑا اچھالتا ہے اور مسجد میں کھڑے ہو کر گالیاں نکالتا ہے، غیبت بھی کرتا ہے اور نماز پڑھانے کے بعد پھر بھی گالیاں نکالتا رہتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟



السائل: محمد اسلم نورانی، ساکن: جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

مسلمان کو گالی دینا اور اس کی غیبت کرنا فسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فقہ کی ہر کتاب میں ہے کہ:

يُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ. (1)

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

1- (صغیری شرح منیة المصلی، مباحث الامامة، ص: 262)

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقاً يأْثِمُوْنَ. [1]

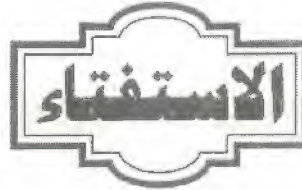
اگرلوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایاتووہ بھی گنہگار ہوں گے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





مسجد کی رقم میں خورد برد کرنے والے کی امامت کاشرعی حکم

محترم مفتی صاحب جامع مسجد روتانہ کنجاہ کے خطیب کے پاس جولائی 1994ء سے مسجد کے تمام اختیارات (آمدنی، اخراجات) ہیں، جولائی 1999ء میں مسجد کی سابقہ کمیٹی اور روتانہ برادری نے مولوی صاحب کاآمدن اور خرچ کارجسٹر چیک کیاتواس میں مولوی صاحب کی متعینہ تنخواہ کے علاوہ تقریباً 72 ہزار روپے کی خورد برد کے ثبوت ملے، جس کی وجہ سے مولوی صاحب کو تقریباً چودہ آدمیوں

1- (غنية المستملى شرح منية المصلى، فصل فى الامامة، ص: 513)

کی موجودگی میں طلب کیا گیا اور ان سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا، مولوی صاحب نے اقرار کیا کہ یہ سب کچھ میں قبول کرتا ہوں مگر غریب آدمی ہوں یکمشت نہیں دے سکتا، تھوڑے تھوڑے کر کے میں دے دوں گا مگر چند دن بعد خطبہ جمعہ میں خطیب صاحب نے قرآن مجید ہاتھ میں اٹھا کر قسم کھائی کہ میرے ذمے مسجد کی کوئی رقم نہیں جبکہ انتظامیہ کے پاس رجسٹر ابھی تک موجود ہے۔



ہم تمام حلفاً اقرار کرتے ہیں کہ جو عبارت رقم کی گئی ہے وہ درست ہے اور ہم لوگ موجود تھے جب مولوی صاحب نے اقرار کیا تھا:

چوہدری نواب خان ولد شاہ محمد چوہدری ثناء اللہ ولد چوہدری لال خان

چوہدری محمد نذیر ولد لال خان چوہدری محمد یونس ولد جھنڈا خان

چوہدری محمد اصغر ولد چوہدری سردار خان چوہدری محمد انور ولد چوہدری محمد حیات

چوہدری ناصر محمود ولد محمد حسین چوہدری فخر نثار ایڈووکیٹ ولد چوہدری محمد اعظم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں کہ اس کو امام بنانا یا خطیب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

السائل: چوہدری فخر نثار ایڈووکیٹ، سکنہ کنجاہ گجرات

الجواب منه الهداية والصواب

صورت مسؤلہ میں بر تقدیر صدق سائل، اہل محلّہ نے خطیب صاحب پر اعتماد کر کے مسجد کی آمدنی اور اخراجات کا اختیار دے دیا کہ جو کچھ چاہیں مسجد کی ضرورت میں خرچ کریں، جو آمدن ہو وہ سنبھال کر رکھیں اور آمدن وخرچ کا حساب لکھ لیا کریں خطیب صاحب 5 برس کے مختصر عرصہ میں قوم کا اعتماد کھو بیٹھے اور اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے آمدن و خرچ کے گوشوارے سے خائن ثابت ہوئے، پھر 14 آدمیوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں اس تمہاری بیان کردہ رقم یعنی 72 ہزار سے زائد رقم کا مسجد کا مقروض ہوں اور تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کروں گا، اس اقرار کے بعد مسجد مں حلفاً انکار کیا تو یہ جھوٹی قسم کھائی، جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں جو کبیرہ گناہ شمار کیے گئے، ان میں یمین غموس بھی بیان فرمائی، اسی طرح خیانت بھی۔



حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَبَائِرُ: اَلْاِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغُمُوْسُ . [1]

1- (صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، فصل: الیمین الغموس، ج: 2، ص: 987)

کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو (ناحق) قتل کرنا اور یمین غموس ہے۔

(فائدہ: یمین غموس کی تعریف:

اَلْيَمِينُ الْغُمُوْسُ: هُوَ الْحَلَفُ عَلَى فِعْلٍ أَوْ تَرْكٍ فِيْ مَاضٍ كَاذِباً. [1]

یمین غموس: زمانہ ماضی میں کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے پر جھوٹی قسم اٹھانا۔



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِنْ عَلَامَاتِ الْمُنَافِقِ ثَلَاثَةٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. [2]

منافق کی تین علامتیں ہیں:

☆۔۔۔ بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے،

☆۔۔۔ وعدہ کرے تو پورا نہیں کرتا،

☆۔۔۔ اسے امانت دی جائے تو خیانت کرتا ہے۔

1- (التعریفات، باب الیاء، ص:86))

2- (جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب: ما جاء فی علامۃ المنافق، ج:2، ص:547، حدیث نمبر:2585)

اتنی بات اس پر زائد ہے کہ یہ منافق کی نشانیاں ہیں اگرچہ وہ نماز، روزہ بھی ادا کرے اور مسلمان ہونے کا دعوی بھی کرے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّه مُسْلِمٌ۔ (1)

منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے۔



اگر خطیب صاحب کے ذمے مسجد کی کچھ رقم نہ بھی ہوتی اور وہ اقرار کرتے، تب بھی وہ رقم ان کے ذمے از روئے شریعت بوجہ اقرار لازم ہو جاتی۔ اقرار کے گواہوں کی موجودگی میں ان کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ مال مسجد کو ادا کرنا ضروری ہے، محلے دار اگر خطیب صاحب کو کچھ چھوٹ دینا چاہیں تو وہ اپنی جیب سے مسجد کا مال پورا کریں، ورنہ خطیب صاحب سے وصول کریں۔

مسجد کا متولی اگر چندہ کی رقم سے مسجد کا ایسا کام کروائے جس پر مسجد کا وقف مال خرچ کرنا جائز نہ ہو تو متولی بھی مسجد کے لیے اس رقم کا ضامن ہوتا

1- (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: خصال المنافق، ج: 1، ص: 86، ح: 213)

ہے، مسجد کو خوبصورت بنانے کے لیے جو مال خرچ کیا جائے کہ اس سے زینت ہو تو اس بارے میں ہدایہ میں ہے کہ:

وَلَا بَأْسَ أَنْ يَنقُشَ الْمَسْجِدُ.

مسجد کے منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے بعد ہے کہ:

وَهٰذَا إِذَا فَعَلَ مِنْ مَالِ نَفْسِه، أَمَّا الْمُتَوَلِّي فَيَفْعَلُ مِنْ مَالِ الْوَقْفِ مَا يَرْجِعُ إِلَي أَحْكَامِ الْبِنَاءِ دُوْنَ مَا يرْجِعُ اِلَي النَّقْشِ حَتي لَوْ فَعَلَ يضْمَنْ. [1]



اور یہ اس وقت ہے جب وہ اپنے ذاتی مال سے خرچ کرے، لیکن متولی پس جب وہ وقف کے مال سے وہ کام کرتا ہے جو عمارت کی پختگی کے زمرے میں آتا ہے نہ کہ جو اس کے نقش و نگار کے حکم میں آتا ہے، یہاں تک کہ وہ اگر ایسا (نقش و نگار پر خرچ) کرتا ہے تو وہ (اتنے مال کا) ضامن ہو گا۔

یعنی متولی کو چاہیے کہ وقف مال کو مسجد کی مضبوطی میں خرچ کرے، نقش و نگار میں خرچ نہ کرے، اگر زینت میں خرچ کرے گا تو اس سے اس مال کی ضمانت لی جائے گی۔

تو خطیب ان گناہوں کی وجہ سے فاسق قرار پائے گا اور فقہ کی اکثر کتب میں یہ مسئلہ درج ہے کہ فاسق کی امامت مکروہ ہے:

1- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، فصل: ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج فی الخلاء، ج: 1، ص: 146)

يُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ. (1)

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقاً يأْثِمُوْنَ. (2)

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔



فتاوی شامی میں ہے کہ:

كُلُّ صَلَاةٍ أُدِّيتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ اِعَادَتُهَا. (3)

جو نماز کراہت تحریمی سے ادا ہو اسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

لہٰذا اگر کوئی نماز ایسے فاسق امام کے پیچھے پڑھ لی ہے تو وہ بھی دوبارہ پڑھی جائے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (صغیری شرح منیۃ المصلی، مباحث الامامۃ، ص: 262)
2- (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص: 513)
3- (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب: واجبات الصلوۃ، ج: 2، ص: 182)

الاستفتاء

مسجد کی اشیاء کو ذاتی استعمال میں لانے والے کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

☆: مسجد کے اندر ذاتی سکول کھولنا اور جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اکھٹے مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟



☆: مسجد کی رقم اپنے ذاتی مکان پہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆: شیعہ مذہب کی مجالس میں مجلس پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

☆: مدرسہ کی اینٹیں اٹھا کر اپنے ذاتی گھر پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆: قربانی کی کھالوں کی رقم اپنے ذاتی مکان پہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆: لاری اڈے پر مدرسہ کے نام پہ لوگوں کو لوٹنا اور ذاتی گھر پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆: مدرسہ کے ہزار روپے اپنے ذاتی سکول پر خرچ کرنا اور اپنے ذاتی مکان پہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جناب عالی! امام مسجد اور اس کے والد دونوں نے مل کر یہ تمام کام کیا ہے، فتوی جاری کیا جائے۔

الجواب منه الهداية والصواب

اگر واقعی آدمی ایسا خائن و فاسق ہے تو جب تک توبہ کر کے امانت واپس نہ کرے اس کی امامت مکروہ ہے، اسے امام بنانا گناہ ہے۔



غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقاً يأْثِمُوْنَ. [1]

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص: 513)

الاستفتاء

قسم اٹھانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد کو اس کی بچی کی بیماری کے متعلق کسی عامل نے جادو کا اثر بتایا، امام نے گھریلو نا چاقی کی وجہ سے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) کو مشکوک سمجھا اور اپنے بیٹے کو طلاق دینے کو کہا۔ بیٹے نے کہا کہ اگر تم مسجد میں قرآن پاک کی قسم اٹھا دو کہ میری بیوی نے ہی جادو کیا ہے تو میں طلاق دے دوں گا، اس پر امام مسجد نے اپنے خیالی یقین پر مسجد میں گواہوں کی موجودگی میں قرآن پاک کی قسم دے دی، بیٹے نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام نے جو قسم اٹھائی تھی اس بناء پر امام کے پیچھے نماز میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ اگر امام مجرم ہے تو کیا کیا جائے؟

الجواب منه الهداية والصواب

امام صاحب کے لیے اس بات میں طریقہ یہ تھا کہ جب تک اپنی بہو کو جادو کرتے یا کرواتے نہ دیکھ لیتے یا ایسے ہی کسی اور ذریعہ سے یقینی علم نہ ہو جاتا، قسم

نہ کھاتے، جب امام نے قسم کھا لی تو اس کا اعتبار کرنا اور اسے سچا تصور کرنا لازم

ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ:

ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ خَيراً۔ (1)

ایمان والے مردوں اور عورتوں پر نیک گمان رکھو۔



تو اس حدیث پاک کے مطابق ہر کسی کے لیے امام پر سچی قسم کھانے کا گمان

کرنا چاہیے تو پھر امام نے کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ اسے گناہ گار سمجھنے والے گناہ

گار ہوئے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔ (2)

ترجمہ: اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

یعنی نہ لوگوں کے عیب تلاش کرو اور نہ تم میں سے بعض دوسرے بعض کی

غیبت کریں۔

1- (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ النور، حدیث نمبر: 13315)

2- (سورہ: حجرات، آیت نمبر: 12)

فقہ کی کتابیں ایسے مسائل سے بھری پڑی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ آدمی اگر خود اقرار کرے تو حرام کام کی نسبت اس کی طرف کرنا جائز ہے یا پھر گواہوں سے ثابت ہو، ورنہ کسی مسلمان کو حرام کا مرتکب ٹھہرانا گناہ اور حرام کا ارتکاب ہے۔ جب قسم کھائی اور اس کے غلط و جھوٹا ہونے کا یقین نہ ہو تو اسے ماننا ضروری ہے، نہ ماننا گناہ۔



حدیث پاک میں مقدمات کے فیصلے کے لیے قانون بیان فرمایا کہ:

إِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ. (1)

جو آدمی دعوی کرے وہ گواہ پیش کر کے اپنا دعوی ثابت کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ قسم کھائے اور بری ہو جائے۔

ممکن ہے دعوی کرنے والے نے جھوٹا دعوی کیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے سچا دعوی کیا ہو اور مدعی علیہ نے جھوٹی قسم کھائی ہو لیکن از روئے شرع کسی کو جھوٹا کہنا شرعی ثبوت کے بغیر جائز نہیں ہے، لہٰذا جن لوگوں نے امام کو جھوٹا تصور کیا ہے وہ گنہگار ہوئے، وہ توبہ کریں اور جب تک انہیں امام کے جھوٹا ہونے کا شرعی ثبوت میسر نہ ہو امام پر بدگمانی نہ کریں اور محلّہ میں افتراق و انتشار کے جرم سے بھی اعلانیہ توبہ کریں۔

1- (جامع ترمذی، باب: الاحکام عن رسول اللہ، ج: 1، ص: 381، حدیث نمبر: 1301)

جس مفتی نے امام کو کہا کہ گناہ کا اعتراف کرے اور توبہ کرے، اس نے فتویٰ میں غلطی کی ہے، یہ تو اس طرح ہے کہ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خارجی کہتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ بندی اور ثالث کو فیصلہ تسلیم کر کے کفر کیا، لہٰذا آپ اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کریں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ میں نے کفر کیا اور نہ ہی میں اقرار کروں گا۔



لہٰذا امام پہلے کی طرح بدستور قابل امامت ہے، اگر کوئی اور وجہ خرابی نہ ہو تو اس کی قسم کی وجہ سے کوئی خرابی نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



خلاف سنت داڑھی رکھنے والے امام کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد داڑھی مکمل ہونے کے بعد خلاف سنت رکھتا ہے یعنی کاٹتا ہے، تو اس امام کے پیچھے نماز کیسی ہے؟



قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت کریں۔

السائل: محمد اشرف

الجواب منه الهداية والصواب

ایسا آدمی فاسق معلن ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے، اسے امام بنانا گناہ ہے، اس کے پیچھے پڑی ہوئی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. [1]

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

1- (سورہ: حشر، آیت نمبر: 7)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں حکم دیں وہ کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

نیز فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. [1]

ترجمہ: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔



یعنی تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں عمل کے لیے بہتر نمونہ موجود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنْهَكُوْا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوْا اللُّحَي. [2]

مونچھیں پست (چھوٹی) کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَالِفُوْا الْمُشْرِكِينَ وَفَرُوْا اللُّحَي وَأَحْفُوْا الشَّوَارِبَ.

1- (سورہ: احزاب، آیت نمبر: 21)

2- (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب:- اعفاء اللحی، ج: 2، ص: 875)

مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں چھوٹی کرو۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَي لِحْيَتِه فَمَا فَضَلَ أَخَذَه.[1]

اور جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو زائد بال ہوتے تھے وہ کاٹ دیتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ کام حج یا عمرہ کے وقت عام لوگوں کے سامنے کرتے تاکہ لوگوں پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے۔



ہدایہ میں ہے، کہ:

وَلَا يفْعَلُ لِتطْوِيلِ اللّحْيَةِ إِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَهُوَ الْقَبْضَةُ.[2]

اور محض داڑھی بڑھانے کے لیے نہ کیا جائے (تیل نہ لگایا جائے) جب کہ وہ مسنون مقدار میں ہو اور وہ (مسنون مقدار) ایک مشت ہے۔

فتاوی شامی میں ہے کہ:

(وَالسُّنَّةُ فِيْهَا الْقَبْضَةُ) وَهُوَ أَنْ يقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْيته فَمَا زَادَ مِنْهَا عَلي قَبْضَةٍ قَطَعَه.[3]

1- (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب: تقلیم الاظفار، ج: 2، ص: 875)
2- (ہدایہ، کتاب الصوم، فصل: فی مایوجب القضاء والکفارۃ، ج: 1، ص: 238)
3- (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل: فی البیع، ج: 9، ص: 671)

(اور داڑھی میں سنت ایک مشت ہے) اور وہ اس طرح کہ آدمی اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے لے اور جتنی اس سے بڑھ جائے اس کو کاٹ دے۔

فقہائے کرام نے مٹھی بھر داڑھی رکھنا سنت قرار دیا ہے، اگر کسی نے اختلاف کیا تو زیادہ کرنے میں کیا، کم کرنے میں کسی نے بات تک نہ چھیڑی، بلکہ علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ:

وَأَمَّا الأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُوْنَ ذٰلِكَ كَمَا يَفْعَلُه بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يبِحْهُ أَحَدٌ. (1)



اور لیکن داڑھی سے پکڑنا (کاٹنا) اس حال میں کہ وہ مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض اہل مغاربہ اور مخنث مرد کرتے ہیں تو اس کو (آئمہ میں سے) کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔

لہٰذا داڑھی مٹھی بھر سے کم کرنے والا فاسق ٹھہرا، اور فقہ کی ہر کتاب میں ہے کہ:

يكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمِ. (2)

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقاً يأْثِمُوْنَ ۔ (3)

1- (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب: فی الاخذ من اللحیہ، ج: 3، ص: 547)
2- (صغیری شرح منیۃ المصلی، مباحث الامامہ، ص: 262)
3- (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص: 513)

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

فتاوی شامی میں ہے کہ:

كُلُّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا. [1]

جو نماز کراہت سے ادا ہو اسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





گناہ کبیرہ کے مرتکب کی امامت کا حکم

آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ جلال پور نوناں کے جو حافظ صاحب مولانا محمد حسین جلالی مدظلہ العالی کے مدرسہ موضع سندا میں مدرس ہیں اور آپ ان سے بخوبی متعارف ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں گاؤں کی جامع مسجد میں مصلی امامت پہ کھڑا کیا جائے اور انہیں مستقل امام بنایا جائے،

1- (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب: واجبات الصلوۃ، ج: 2، ص: 182)

گاؤں کے کافی جاننے والے لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی تیار نہیں ہیں

کیونکہ افعال قبیحہ کثرت سے ان سے سرزد ہیں۔

السائل: حافظ محمد بخش، جلال پور

الجواب منه الهداية والصواب

ان حافظ صاحب کے بعض افعال قبیحہ جو مجھ فقیر پر ظاہر ہوئے ان میں



کئی کبیرہ گناہ ہیں اور ایک بار کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہو جاتا ہے۔

اور فقہ کی ہر کتاب میں ہے کہ:

يُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ. [1]

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقاً يَأْثِمُوْنَ [2]

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

1- (صغیری شرح منیۃ المصلی، مباحث الامامہ، ص: 262)
2- (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص: 513)

لیکن ضروری نہیں کہ فاسق کو ہمیشہ فسق سے متصف تصور کیا جائے بلکہ اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو فسق کے بعد ایسی توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ درجہ ولایت پر بھی فائز ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ.[1]



ترجمہ: مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَه.[2]

گناہ سے توبہ کرنے والا اس کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ فاسق توبہ کر لینے کے بعد امامت کے قابل ہو سکتا ہے۔

1- (سورہ: فرقان، آیت نمبر: 70)
2- (سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، فصل: ذکر التوبہ، ص: 450)

اگر حافظ صاحب نے توبہ کر لی ہے اور لوگوں کو اعتبار آگیا ہے تو ان کو امام بنانے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ گناہ ہو گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





بغیر شرعی عذر کے تارک جماعت کی امامت کا حکم

امام صاحب کا گھر مسجد سے ملحق ہے، امام صاحب صرف جمعہ مبارک پڑھاتے ہیں، جمعہ کے علاوہ دوسری نمازیں امام صاحب کا صاحبزادہ جو کہ حافظ قرآن ہے، وہ پڑھاتا ہے، امام مسجد خود جمعہ کے علاوہ دیگر نمازیں باجماعت پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے، کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد میں اذان ہو رہی ہوتی ہے اور امام صاحب گھر میں موجود ہوتے ہوئے بھی مسجد میں نہیں آتے، کئی دفعہ گھر کے باہر بیٹھ کر سگریٹ پی رہے ہوتے ہیں اور مسجد میں نہیں جاتے، امام صاحب کی عمر تقریباً 50 سال ہے، ریش اور سر کے بالوں کو سیاہ رنگ کی خضاب لگاتے ہیں۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ان امام صاحب کے پیچھے جمعہ یا دیگر کوئی بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا کہ نہیں؟

السائل: محمد اسلم گل، چک نمبر 4 نوبہار

الجواب منه الهداية والصواب

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اور بلا عذر شرعی ترک جماعت فسق ہے، اسی طرح سیاہ خضاب لگانا بھی مکروہ تحریمی اور گناہ ہے اور اس گناہ کو تکرار سے کرنا فسق ہے۔

اور فقہ کی ہر کتاب میں ہے کہ:



يُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ. [1]

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقاً يأْثِمُوْنَ [2]

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

لہذا اس حالت میں ایسے آدمی کو کسی بھی نماز کی جماعت کے لیے امام بنانا جائز نہیں، اگر اعلانیہ توبہ کرے تو پھر امام بنانے میں کوئی قباحت نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (صغيری شرح منية المصلى، مباحث الامامہ، ص: 262)
2- (غنية المستملى شرح منية المصلى، فصل فى الامامة، ص: 513)

الاستفتاء

کیا بہرا امام بن سکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں کی جامع مسجد کے امام صاحب بہرے ہیں، بہت ہی اونچا سنتے ہیں، آپ براہ کرم اس کا فیصلہ فرمادیں کہ ہماری نماز ان کے پیچھے ہو سکتی ہے یا کہ نہیں؟



الجواب منه الهداية والصواب

بہرہ ہونا امامت کے استحقاق و جواز میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا، اگر اس میں کوئی اور ایسی خرابی نہ ہو جو امامت کے درست ہونے کو مخل ہو، تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

کیا ہیجڑے کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص باریش تو ہے لیکن اس کی مردانہ قوت میں نقص پایا جاتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں بتائیں کہ وہ مرد ہے یا خنثی، اگر خنثی ہے تو اس کی اذان وامامت درست ہے یا نہیں؟



السائل: مولوی عبدالشکور، جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

اللہ تعالی نے انسانوں کی دو قسمیں پیدا فرمائی ہیں "مذکر و مؤنث" اور قرآن کریم میں انہی دو قسموں کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى .[1]

ترجمہ: اور یہ ہے کہ اسی نے دو جوڑے بنائے نر اور مادہ۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

1- (سورہ: النجم، آیت نمبر: 45)

فَجَعَلَ منه الزَّوْجَينِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثى .[1]

ترجمہ: تواس نے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت۔

پھر ارشاد فرمایا:

وَبَثَّ منهما رِجَالًا كَثِيرًا وَّنساء .[2]



ترجمہ: اور دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلائے۔ تیسری کوئی قسم انسانوں کی قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی لیکن بعض انسانی افراد ایسے بھی پیدا ہوتے ہیں جن کے ساتھ مذکر و مؤنث کی دونوں علامتیں موجود ہوتی ہیں یا کوئی علامت بھی واضح نہیں ہوتی، توان کو فقہائے کرام اور مفسرین عظام نے علامات کے ظہور سے مردوں اور عورتوں میں شامل فرمایا ہے، اگر علامات میں سے کسی طرف کو ترجیح نہ دی جاسکے تو اسے خنثی مشکل کہا جائے گا اور اس کے متعلق مخصوص احکام بیان کرنے کے لیے فقہائے کرام نے اپنی کتب میں "کتاب الخنثیٰ" کے نام سے مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ امام رازی '' تفسیر کبیر '' میں سورہ '' اللیل '' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

1- (سورہ: القیامہ، آیت نمبر: 39)

2- (سورہ: النساء، آیت نمبر: 1)

اَلْقِسْمُ بِالذَّكَرِ وَالْأُنثى يتناولُ الْقِسْمَ بِجَمِيعِ ذَوِي الْأَرْوَاحِ الَّذِينَ هُمْ أَشْرَفُ الْمَخْلُوْقَاتِ لِأَنَّ كُلَّ حَيَوَانٍ فهو إِمَّا ذَكَرٌ أَوْ أُنْثي وَالْخُنْثي فهو فِي نَفْسِهِ لَا بُدَّ أَن يكُوْنَ إِمَّا ذَكَرًا أَوْ أُنْثي .[1]

اشرف المخلوقات میں مذکر و مونث کی تقسیم تمام ذی روح افراد کو شامل ہے اس لیے کہ ہر حیوان یا تو وہ مذکر ہوتا ہے یا مونث، اور ہیجڑا بھی اپنی ذات کے اعتبار سے کسی ایک قسم میں داخل ہوتا ہے یعنی مذکر یا مونث۔



تفسیر جلالین میں اسی آیت کریمہ کے تحت فرمایا:

وَالْخُنْثي الْمُشْكَلُ عِندنا ذَكَرٌ أَوْ أُنْثي عِنْدَ اللهِ تَعَالي فَيحْنتُ بِتَكْلِيمِه مَنْ حَلَفَ لَا يكَلِّمُ ذَكَرًا وَلَا أُنْثي .[2]

جو ہمارے نزدیک خنثی مشکل ہے وہ اللہ تعالی کے نزدیک مذکر ہے یا مونث، لہذا جس نے قسم اٹھائی کہ وہ نہ تو کسی مرد سے کلام کرے اور نہ ہی کسی عورت سے، پھر اس نے کسی خنثی مشکل سے کلام کیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

1- (تفسیر کبیر، سورہ: الیل، آیت نمبر: 3، ج: 17، ص: 56)
2- (تفسیر جلالین، ص: 810)

بچپن میں تو کچھ دقت ہو گی لیکن اس کے بلوغ کے بعد فیصلہ کرنا آسان ہے کیونکہ اس حالت میں مرد و عورت کی علامات میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَإِذَا بَلَغَ الْخُنْثَى وَخَرَجَتْ لِحْيَتُه أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ وَكَذَا إِذَا احْتَلَمَ كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ أَوْ كَانَ لَه ثَدْيٌ مُسْتَوٍ لِأَنَّ هَذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ الذُّكْرَانِ .[1]



اور جب ہیجڑا بالغ ہو اور اس کی داڑھی اگ آئے یا وہ عورت سے وطی کر سکے تو وہ مرد ہے اور ایسے ہی اگر اسے مردوں کی طرح احتلام ہو یا اس کے پستان برابر ہوں تو وہ مرد ہے کیونکہ یہ مردوں کی علامات ہیں۔

لہٰذا جس کی داڑھی مردوں کی طرح ہے وہ از روئے شرع مردوں میں شمار ہو گا اور مردوں کے لیے اذان دینا اور امام بننا صحیح ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ہدایہ، کتاب الخنثی، ج:4، ص:677)

الاستفتاء

امانت میں خیانت کرنے والے کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب جو ٹھٹھہ پھالیہ میں امامت فرماتے ہیں، ان پہ ایک کوتاہی کا الزام لگا کہ وہ ڈاکخانہ میں ملازم بھی ہیں اور ڈاکخانہ کے جو کچھ وظائف بیواؤں اور مساکین کے لیے آتے ہیں ان میں خورد برد کر دی اور عوام نے امام صاحب کو مسجد سے فارغ کر دیا، اب امام صاحب دوبارہ مسجد میں بحال ہو سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو کیا صورت ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

رقم بھیجنے والا اس رقم کا مالک تھا، اس نے جس مقصد کے لیے رقم بھیجی ہے اسے اس مقصد میں خرچ کرنا لازم اور دوسری جگہ خرچ کرنا حرام ہے اور جس کے پاس وہ رقم پہنچی ہے وہ اس رقم کو حقدار تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔

جب اس نے اس رقم کے مصرف میں خورد برد کر لی تو اس کے اپنے فرض میں کوتاہی کے ساتھ ساتھ خیانت کا بھی جرم کیا، جس کی وجہ سے وہ فاسق ہوا اور اس کی امامت مکروہ ہوئی، جن لوگوں نے اسے معزول کیا اچھا کیا اور آئندہ جب تک

توبہ نہ کرے اس کی امامت جائز و صحیح نہیں ہو گی، اگر بغیر توبہ کیے کوئی اس کو امام بنائے تو وہ بھی گنہگار ہو گا اور توبہ کر لینے کے بعد اس کی امامت صحیح و جائز ہے اگر کوئی اور امامت کے عدم جواز کی دلیل نہ پائی جائے۔

اور توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اندازہ و حساب کر کے جو رقم ناجائز طور پر خرچ کی خواہ خود اپنی ضرورت پر یا کہ دوسروں کی ضرورت پر وہ رقم لیکر مالک کے پاس جائے اور عرض کرے کہ یہ آپ کی رقم ہے، یہ لے لیں اور مجھے معاف کر دیں، میں اللہ تعالی سے بھی معافی و استغفار کروں گا۔



ہدایہ میں ہے کہ:

وَالتَّصَرُّفُ فِي مَالِ الْغَيرِ حَرَامٌ. [1]

اور کسی غیر کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے۔

فقہ کی کتب میں ہے کہ:

يكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ. [2]

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

1- ہدایہ، کتاب البیوع، باب: المرابحہ و التولیہ، ج:3، ص:79

2- صغیری شرح منیۃ المصلی، مباحث الامامہ، ص: 262

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يَأْثِمُوْنَ. [1]

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَه. [2]



گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



جو امام مسجد متولی کو گالی دے اس کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ذاتی مال سے مسجد تعمیر کروائی اور پھر وہ اس مسجد کا انتظام بھی اپنے ذمے لیے ہوئے ہے،

1- غنية المستملى شرح منية المصلى، فصل فى الامامة، ص: 513

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب: ذکر التوبہ، ج: 2، ص: 1419، حدیث نمبر: 4250)

اب اسی شخص کو اس مسجد کا امام مسجد میں کھڑے ہو کر گالی دیتا ہے، آیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ منتظم شخص ایسے امام کو مسجد سے ہٹا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: مرزا سردار، جہلم

الجواب منه الهداية والصواب



مسلمان کو گالی دینا حرام وگناہ ہے اور گالی دینے والا فاسق ہے، فاسق کی امامت مکروہ ہے، امام بنانے والا گنہگار ہے، جب تک توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور پہلی پڑھی نمازیں لوٹانا واجب ہے اور مسجد کے بانی و متولی کو امام رکھنے اور تبدیل کرنے کا حق حاصل ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَاله، كُفْرٌ. (1)

مسلمان کو گالی دینا فسق اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔

فقہ کی کتب میں ہے کہ:

يكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ. (2)

1- (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من ان یحبط عملہ، ج: 1، ص: 27، حدیث نمبر: 48)

2- (صغیری شرح منیۃ المصلی، مباحث الامامہ، ص: 262)

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يَأْثِمُوْنَ.[1]

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

فتاوی شامی میں ہے کہ:



كُلُّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا.[2]

جو نماز کراہت سے ادا ہو اسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

بہار شریعت میں ہے کہ:

بانی مسجد نے ایک امام و مؤذن کو پسند کیا اور اہل محلّہ نے دوسرے کو، تو اگر وہ افضل ہے جسے اہل محلّہ نے پسند کیا ہے، تو وہی بہتر ہے اور اگر برابر ہیں، تو جسے بانی نے پسند کیا، وہ ہو گا۔[3]

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (غنية المستملى شرح منية المصلى، فصل فى الامامة، ص: 513)

2- (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب: واجبات الصلوۃ، ج: 2، ص: 182)

3- (بہار شریعت، کتاب: نماز کا بیان، باب: احکام مسجد کا بیان، حصہ: 3، ص: 649)

الاستفتاء

صلوۃ وسلام سے روکنے والے کو امام بنایا جاسکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ''الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ '' اور صلوۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتا ہے، کیا ایسے شخص کو مسجد میں امام بنانا جائز ہے یا کہ نہیں؟



السائل: اعجاز احمد، دھوری

الجواب منه الهداية والصواب

ایسا شخص بد مذہب، خبیث وہابی ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام مطلقاً پڑھنے کا حکم دیا ہے:

يأيها الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عليه وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا .[1]

1- (سورہ: احزاب، آیت نمبر: 56)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ جیسے اللہ تعالی کے ذکر اور اس کی حمد کے لیے الفاظ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جو الفاظ اس کی شان کے لائق ہوں ان سے ذکر وحمد جائز ہے، ایسے ہی درود پاک کے لیے الفاظ کی تخصیص نہیں، اور جس وقت یا حالت یا لفظ کی ممانعت دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اس وقت میں اس حالت میں ایسے الفاظ سے درود وسلام پڑھنا جائز و صحیح ہے۔



پرانے زمانے میں عرب شریف کے وہابی اس سے روکتے تھے اور ہمارے علاقے کے دیوبندی اس کو جائز جانتے تھے اور عربی وہابیوں کو خبیث کہتے تھے اور اب کے دیوبندی ان خبیثوں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور سوال میں مذکور تو اس سے بھی اخبث ہوا کہ صلوۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے بھی روکتا ہے، کیونکہ ''الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کہنے سے روکنے والے تو کہتے ہیں کہ اس طرح درود پاک پڑھنے والا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جانتا ہے جو کہ غلط نظریہ ہے اور صلوۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنے میں تو یہ عقیدہ بھی ظاہر نہیں ہوتا تو اُسے روکنے والا دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت رکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو سن کے جل بھن جاتا ہے، لہٰذا ایسا شخص ایمان سے خالی ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ[1] .

ترجمہ: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالی تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔

اتباع محبت کے ساتھ فرمانبداری اور پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:



لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّي أَكُوْنَ أَحَبَّ اِلَيهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ[2]

تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اکثر اس کا ذکر کرتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو ذکر سے روکے وہ اس چیز کو ناپسند کرتا ہے، تو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند کرے وہ ایمان سے خالی ہے، اسے امتی کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

امام احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ وہابی کا حال یہ ہے کہ:

1- (سورہ: آل عمران، آیت نمبر: 31)
2- (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول من الایمان، ج: 1، ص: 14، حدیث نمبر: 15)

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے

پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے سے منع کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا منکر ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں عیب تلاش کرنے میں کوشاں رہتا ہے، بھلا ایسے آدمی کا آپ سے کیا تعلق کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی شمار کیا جائے، لیکن پھر کہتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں، لہٰذا ایسا شخص کو امام بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔



فقہ کی کتب میں ہے کہ:

يكْرَهُ تَقْدِيمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ. [2]

فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے۔

اور غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يأْثِمُوْنَ. [3]

اگر لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

1- (حدائق بخشش، حصہ اول، ص: 152)
2- (صغیری شرح منیۃ المصلی، مباحث الامامہ، ص: 262)
3- (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص: 513)

فتاوی شامی میں ہے کہ:

كُلُّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا. [1]

جو نماز کراہت تحریمی سے ادا ہو اسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

باقی رہا صیغہ خطاب و ندا سے درود و سلام پڑھنا تو وہ بالکل جائز و صحیح ہے، نماز میں تمام امت مسلمہ تشہد میں ''السلام علیک ایہا النبی'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لیکر آج تک پڑھتی چلی آرہی ہے، دیوبندی، وہابی بھی نماز میں اسی طرح پڑھتے ہیں۔



حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وسلم يعَلِّمُنا التَّشَهُّدَ كَمَا يعَلِّمُنا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ. [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد اسی طرح سکھاتے جیسا کہ ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کی تعلیم کس زوردار طریقے سے دی ہے۔ تمام صحابہ کرام بروقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

1- (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب: واجبات الصلوۃ، ج: 2، ص: 182)

2- (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب: التشہد فی الصلوۃ، ج: 2، ص: 14، حدیث نمبر: 929)

پاس حاضر نہیں ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ کرام نے یہی تشہد تابعین و تبع تابعین کو سکھایا۔

تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری حیات مبارکہ میں دور، نزدیک ہر جگہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ کے بعد اس کے جواز بلکہ وجوب پر تمام امت مسلمہ متفق ہے۔ جب نماز اللہ تعالی کی خصوصی عبادت ہے ، اس میں ''اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو'' کہنا جائز و واجب ہے تو اور کون سا وقت ہو گا جس میں یہ الفاظ کہنا جائز نہیں ہوں گے اور کس دلیل سے؟، عدم جواز کی دلیل مانع کے ذمہ ہے۔



علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بندہ نماز میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں روحانی طور پر حاضر ہو کر انوار و تجلیات خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس بارگاہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موجود پاتا ہے، اس لیے اسے لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرے۔

نیز علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی نماز میں سلام و کلام کرتا ہے تو نماز مکمل ہوتی ہے، جب کہ کسی دوسرے سے کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نیز عربی زبان کے قواعد کے مطابق کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جانے یا نہ جانے، زندہ تصور کرے یا نہ کرے، بلکہ قریب تصور کرے یا دور ہر طرح نداء کے صیغے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صحیح و جائز ہے۔

تو اس صورت میں روکنے والے کا منع کرنا صرف اور صرف بغض و عداوت پر مبنی ہے۔



اس لیے حسین احمد مدنی دیوبندیوں کے چھٹے امام و پیشوا اور دیگر بعض افراد نے اسے بعض صورتوں میں جائز لکھا اور مطلقاً منع کرنا وہابیہ خبیثہ کا کردار بیان کیا۔

چنانچہ دیوبندیوں کا موجودہ دور کا مایہ ناز مصنف و عالم سرفراز گکھڑوی اپنی کتاب ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ:

اگر کوئی شخص محض عشق و محبت کے نشے سے سرشار ہو کر ''یارسول اللہ'' اور ''یا نبی اللہ'' کہے تو جائز ہے، ہم اور ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں مگر آپ کو حاظر و ناظر سمجھ کر یا استمداد و استعانت کے طور ''یارسول اللہ'' کہنا جائز نہیں ہے۔[1]

1- (آنکھوں کی ٹھنڈک، ص: 171، ناشر: مکتبہ صفدریہ، نزد مدرسہ نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر گوجرانوالہ، طبع: مئی 2010ء)

اور تبلیغی جماعت مبلغین کا استاذ معلم مولوی زکریا سہارنپوری اپنی کتاب "تبلیغی نصاب" کے رسالہ "فضائل درود شریف" میں لکھتا ہے کہ:

میرے نزدیک بہتر ہے کہ "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کہا جائے، تاکہ آیت پر پورا عمل ہو کیونکہ اس میں صلوۃ وسلام دونوں کا حکم ہے، جب کہ درود ابراہیمی میں صرف درود ہے سلام نہیں۔[1]



یہ تبلیغی نصاب تبلیغ کرنے کے لیے جانے والی ہر ٹولی کے پاس ہوتا ہے لیکن اس میں درج شدہ اس بات پر نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کو سناتے ہیں، گویا یہودیوں کی طرح تحریف وکتمان اختیار کرتے ہیں۔

آخر میں حسین احمد مدنی کی کتاب "شہاب ثاقب" سے ایک حوالہ پیش کرتا ہوں کہ وہ کچھ صورتوں میں "یا رسول اللہ" کہنا جائز بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

علی ہذا القیاس اگر بلحاظ معنی درود شریف کے ضمن کہا جاوے گا تب بھی جائز ہو گا، اگر اس عقیدہ سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے فضل وکرم سے ہماری نداء کو پہنچا دے گا، اگرچہ پہنچا دینا ضروری نہ ہو گا، مگر اس امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

1- (فضائل اعمال، باب: فضائل درود شریف، ص:403)

اور چند سطر بعد لکھتا ہے کہ:

وہابیہ خبیثہ یہ صورتیں نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں، چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان میں بارہا سنا گیا ہے کہ وہ ''الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ'' کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر اس خطاب و نداء کی وجہ سے سخت نفرتیں کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین جملہ صورتہائے درود شریف کو اگرچہ بصیغہ خطاب و نداکیوں نہ ہوں، مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔[1]



لہٰذا اس درود پاک یا اس جیسے الفاظ والے دوسرے درودوں سے روکنا حسین احمد مدنی کے نزدیک ان لوگوں کا کام ہے جو وہابی اور خبیث ہیں، مسلمان تو اسے مستحب کہتے ہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (شہاب ثاقب، ص: 456)



باب الجمعۃ (جمعہ کا بیان)

الاستفتاء

کیا مسافر خطیب مقیم کو نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر خطیب مسافر ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض نہیں تو کیا وہ جمعہ کی نماز مقیم کو پڑھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

السائل: محمد اسلم نوارنی، ساکن: جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

مسافر پر جمعہ فرض نہیں مگر جس جگہ جمعہ فرض ہے وہاں نماز کے لیے حاضر ہو تو امام بھی ہو سکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

إِنَّ الْمُسَافِرَ لَمَّا الْتَزَمَ الْجُمُعَةَ صَارَتْ وَاجِبَةً عَلَيْهِ وَلِذَا صَحَّتْ إِمَامَتُه فِيْهَا. (1)

1- (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعہ، ج: 6، ص: 111)

بے شک مسافر جب جمعہ کا التزام کرے تو اس پر جمعہ فرض ہے اور اسی لیے اس کی امامت (جمعہ کی) صحیح ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





گاؤں میں جمعہ اور احتیاط الظہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں جو تقریبا 120 گھروں پر مشتمل ہے عرصہ دراز سے یعنی 50 سال سے جمعہ پڑھتے چلے آرہے ہیں اور لوگ احتیاطی ظہر ادا نہیں کرتے، یہ درست ہے یا نہیں؟

کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ اس لیے احتیاطی ظہر پڑھنا واجب ہے۔

آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

السائل: محمد حسین جلالی، ساکن: کوٹ پہلوان

الجواب منه الهداية والصواب

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ .[1]

ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ



علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِعْمَلُوْابِكِتَابِ اللهِ وَلَا تُكَذِّبُوْا بِشَيءٍ مِنْهُ فَمَا اشْتَبَهَ عَلَيكُمْ مِنْهُ فَاسْئَلُوْا عَنْهُ أَهْلَ الْعِلْمِ يخْبِرُوْكُمْ .[2]

قرآن کریم پہ عمل کرو اور اس کی کسی چیز کی تکذیب نہ کرو، پس اگر اس کی کوئی چیز تم پر مشتبہ ہو جائے (اس کا حکم تمہیں معلوم نہ ہو سکے) تو اہل علم سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے۔

قرآن کریم میں ہر چیز کا بیان موجود ہے لیکن اس کو ہر آدمی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور مذکورہ بالا آیت و حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ قرآن

1- (سورہ: نحل، آیت نمبر: 43)

2- (مستدرک، کتاب: معرفۃ الصحابہ، باب: ذکر معقل بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ، ج: 3، ص: 669، حدیث نمبر: 6471)

مجید سے واضح طور پر معلوم نہ ہو اس میں عوام کو علمائے کرام کے بتائے ہوئے

طریقے پر عمل کرنا چاہیے۔

حضرت ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے ارشاد فرمایا:

لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ .(1)



نہیں ہے جمعہ اور نہ ہی تکبیرات تشریق سوائے جامع شہر کے۔

اور سورہ جمعہ مکی ہے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے

پہلے مکہ شریف میں جمعہ پڑھا، نہ ہی سفر ہجرت میں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے کچھ شرطیں ہیں،

جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جہاں جمعہ پڑھا جائے وہ جگہ شہر ہو اور شہر

کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، بعض آبادیاں بعض تعریفوں کے اعتبار سے شہر بنتی

ہیں جبکہ بعض تعریفوں کے اعتبار سے شہر نہیں ہیں، ایسی جگہ میں نماز جمعہ پڑھی

تو ممکن ہے کہ فرض وقتی ساقط نہ ہو، لہٰذا علمائے کرام نے فرمایا کہ ایسی جگہ

جمعہ بھی پڑھ لیں اور ظہر بھی تاکہ یقینی طور پر ذمہ داری سے بری ہو جائیں۔

1- (سنن الکبری للبیہقی، کتاب الجمعہ، باب: العدد الذین اذا کانوا فی قریۃ وجبت علیہم الجمعہ، ج: 3، ص: 179، حدیث نمبر: 5405)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلکہ اس زمانے کے بعد کافی عرصہ تک کسی آبادی میں دو جگہ جمعہ کی نماز ادا نہیں کی گئی، اس لیے اس مسئلہ میں علمائے کرام کا اختلاف ہوا، اکثر ائمہ نے اسے نا جائز کہا، حنفی علمائے کرام نے اس کے جواز کا فتوی دیا لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے ساتھ ظہر کی نیت سے چار رکعتیں پڑھ لی جائیں۔



لہٰذا جو لوگ بدعت بدعت کی رٹ لگاتے ہیں انہیں تو دوسری جگہ جمعہ پڑھنا ہی نہیں چاہیے کیونکہ ان کے لیے دلیل موجود ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .[1]

اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

تو یہ بدعت بھی گمراہی ہو گی اور ایسا جمعہ پڑھ کر گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

البتہ اہل سنت کے لیے امام اعظم و دیگر آئمہ احناف کے فتوی کے مطابق ایک شہر میں دو یا دو سے زیادہ مقام پہ نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے اور اس کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں بھی پڑھ لیں۔

1- (صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب: تخفیف الصلوۃ والخطبہ، ج: 3، ص: 11، حدیث نمبر: 2042)

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

كُلُّ مَوْضِعٍ وَقَعَ الشَّكُّ فِي كَوْنِهِ مِصْرًا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يُصَلُّوْا بَعْدَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا بِنِيَّةِ الظُّهْرِ اِحْتِيَاطًا حَتّٰى أَنَّهُ لَوْ لَمْ تَقَعِ الْجُمُعَةُ مَوْقِعَهَا يَخْرُجُوْنَ عَنْ عُهْدَةِ فَرْضِ الْوَقْتِ بِأَدَاءِ الظُّهْرِ .[1]



ہر وہ جگہ کہ جس کے شہر ہونے میں شک واقع ہو اس جگہ کے مکینوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ احتیاطاً جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ اگر وہ مقام نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے نہیں بنتا تھا تو بھی وہ لوگ ادائیگی ظہر کے سبب وقتی فرض سے عہدہ براء ہو جائیں گے۔

اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

لَمَّا ابْتُلِيَ أَهْلُ مَرْوٍ بِإِقَامَةِ الْجُمُعَتَيْنِ فِيْهَا مَعَ اخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ فِي جَوَازِهِمَا أَمَرَ أَئِمَّتُهُمْ بِالْأَرْبَعِ بَعْدَهَا حَتْماً اِحْتِيَاطاً .[2]

جب اہل مرو علماء کے اختلاف کی بدولت دو جمعہ کے قیام کے مسئلہ میں پھنس گئے تو ان کے آئمہ نے انہیں جمعہ کے بعد چار رکعتیں (ظہر کی نیت سے) احتیاطاً پڑھنے کا حکم دیا۔

1- (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعہ، ج: 6، ص:71)

2- (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعہ، ج: 6، ص: 71)

اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

وَذُكِرَ فِي النَّهْرِ أَنَّه لَا يَنْبَغِي التَّرَدُّدُ فِيْ نَدْبِهَا .[1]

اور نہر (الفائق) میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس (چار رکعت ظہر) کے مستحب ہونے میں تردد مناسب نہیں۔

اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:



لَكِنْ بَقِيَ الْكَلَامُ فِي تَحْقِيقِ أَنَّه وَاجِبٌ أَوْ مَنْدُوْبٌ، قَالَ الْمُقَدَّسِي: ذَكَرَ ابْنُ الشَّحْنَةِ عَنْ جَدِّهِ التَّصْرِيحَ بِالنَّدْبِ، وَبَحَثَ فِيْهِ بِأَنَّه يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ مُجَرَّدِ التَّوَهُّمِ، أَمَّا عِنْدَ قِيَامِ الشَّكِّ وَالْاِشْتِبَاهِ فِيْ صِحَّةِ الْجُمُعَةِ فَالظَّاهِرُ الْوُجُوْبُ .[2]

لیکن ان ظہر کی چار رکعتوں کی تحقیق کے بارے میں کلام باقی ہے کہ وہ چار رکعتیں واجب ہیں یا مستحب، مقدسی نے کہا کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے تصریحاً ان چار رکعتوں کا استحباب نقل کیا ہے، اور اس بارے میں (حتمی) بحث یہ ہے کہ صرف اس جگہ کے شہر ہونے کا وہم ہو تو پھر احتیاطی ظہر مستحب ہے لیکن شک ہونے کی صورت احتیاطی ظہر کا پڑھنا واجب ہے۔

1- (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعہ، ج: 6، ص: 71)
2- (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعہ، ج: 6، ص: 71-72)

لہذا جہاں جمعہ کی نماز دو یا دو سے زیادہ جگہ پڑھی جائے یا اس جگہ کے شہر ہونے میں بعض تعریفات کے مطابق شک ہو تو وہاں نماز جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعتیں بھی پڑھی جائیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





ایک مسجد سے دوسری مسجد میں جمعہ منتقل کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد سے دوسری مسجد میں جمعہ منتقل کرنا جب کہ دوسری مسجد میں سہولتیں زیادہ میسر ہوں، جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلی مسجد بستی والوں کے لیے بد دعا کرتی ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟

السائل: حافظ یعقوب عالم، گجرات

الجواب منه الهداية والصواب

جو مسجد نماز پنجگانہ کے لیے تعمیر کی جائے اس میں پانچ وقت اذان و جماعت کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اسے ویران کرنا کہ بعض یا کل نمازوں کی جماعت نہ ہو، گناہ اور وبال کا سبب ہے، لیکن نماز جمعہ ہر جگہ اور ہر آبادی پر فرض نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:



لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا فِطْرَ وَلَا أَضْحَى إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ .[1]

جمعہ، تکبیرات تشریق، عید فطر اور عید الاضحیٰ نہیں مگر جامع مصر یعنی شہر میں۔

شہر میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے کون سی جگہ ہونی چاہیے، اس بارے میں ہدایہ میں ہے کہ: وَالْحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُوْرٍ عَلَي الْمُصَلِّي بَلْ يَجُوْزُ فِي جَمِيعِ أَفْنِيَةِ الْمِصْرِ.[2]

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مصلی (مسجد یا عید گاہ) ہونا ضروری نہیں بلکہ نماز جمعہ کی ادائیگی شہر میں بنائے گئے تمام میدانوں میں جائز ہے۔

1- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعہ، ج: 1، ص: 177)

2- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعہ، ج: 1، ص: 177)

لہٰذا نماز جمعہ دونوں مسجدیں چھوڑ کر کسی میدان میں پڑھا جائے تو بھی ہو جائے گا اور دلیل شرعی کے بغیر کسی بات کو ناجائز کہنے والے گنہگار ہیں، انہیں توبہ کرنی چاہیے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





کس گاؤں میں جمعہ ادا ہو سکتا ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں جس کی آبادی چھ، سات سو مکانات پر مشتمل ہے اور گاؤں میں تقریباً سو کے قریب دکانیں ہیں اور ضروریات کی تمام اشیاء دستیاب ہیں، ایسے مقام پہ جمعہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو ظہر اجتماعی پڑھنی ضروری ہو گی یا کہ نہیں؟

نوٹ: گاؤں میں بنک بھی ہے، یونین کونسل بھی ہے، تحصیل دار بھی ہفتہ میں ایک دفعہ آتا ہے۔

السائل: رحمت خان، کھاریاں

الجواب منه الهداية والصواب

جمعہ کی نماز ایسی آبادی میں شروع کر دی گئی ہو تو اسے چھوڑنا نہیں چاہیے، اسے فرض سمجھ کر پڑھنا چاہیے، نفلی جمعہ نہیں ہوتا، گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور شہر میں جمعہ پڑھنا فرض ہے۔

البتہ شہر کی تعریف میں کئی اقوال ہیں:



حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْمِصْرُ الْجَامِعُ مَا يَعُدُّهُ النَّاسُ مِصْرًا عِنْدَ ذِكْرِ الْأَمْصَارِ الْمُطْلَقَةِ .[1]

عموماً شہروں کا ذکر کرتے وقت جن آبادیوں کو لوگ شمار کریں، وہ شہر ہیں۔

حضرت امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مَا أُقِيمَتْ فيه الْحُدُوْدُ وَنُفِذَتْ فيه الْأَحْكَامُ .[2]

جس میں حدود قائم کی جائیں اور احکام نافذ کیے جائیں (وہ شہر ہے)۔

جوہرہ میں ہے کہ:

1- (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل: بیان شرائط الجمعۃ، ج: 3، ص: 20)

2- (تحفۃ الفقہاء، ج: 1، ص: 162)

هُوَ كُلُّ بَلَدٍ فيها أَسْوَاقٌ وَّوَالٍ ينصِفُ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الظَّالِمِ وَعَالِمٌ يرْجَعُ اِلَيهِ فِي الْحَوَادِثِ .[1]

ہر وہ علاقہ جس میں بازار ہوں، والی ہو کہ جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلوائے اور عالم ہو کہ جس کی جانب نئے پیش آمدہ مسائل میں رجوع کیا جائے (وہ شہر ہے)۔



ہدایہ میں ہے کہ:

اَلْمِصْرُ الْجَامِعُ: كُلُّ مَوْضِعٍ له أَمِيرٌ وَقَاضٍ ينَفِّذُ الْأَحْكَامَ وَيقِيمَ الْحُدُوْدَ.[2]

شہر ہر اس جگہ کا نام کہ جس میں امیر ہو اور ایسا قاضی ہو جو احکام کو نافذ کرے اور حدود کو لاگو کرے۔

ہدایہ میں ہی حضرت ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

أَنَّهُمْ اِذَا اجْتَمَعُوْا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يسَعْهُمْ .[3]

(کسی آبادی میں کئی مسجدیں ہوں اور) جن لوگوں پہ جمعہ فرض ہے وہ بڑی مسجد میں اکھٹے ہو جائیں لیکن وہ اس مسجد میں سمانہ سکیں (تو وہ ایسا شہر ہے جس میں جمعہ فرض ہے)۔

1- (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج:1، ص:223)

2- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج:1، ص:177)

3- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج:1، ص:177)

بحر میں ہے کہ:

وَعليه فَتوي أَكْثَرِ الْفُقَهاءِ وَقَالَ أَبُوْ شُجَاعٍ: هٰذَا أَحْسَنُ مَا قِيلَ فيه وَفِي الْوَلْوَالِجِيةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ. [1]

اور اس (امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے قول) پر ہی اکثر فقہاء کا فتوی ہے، اور حضرت ابو شجاع کہتے ہیں کہ یہ بہترین تعریف ہے اور ولوالجیہ میں ہے کہ یہ ہی صحیح ہے۔



ان تعریفوں کے مطابق بعض ایسی آبادیاں بھی ہیں کہ جنہیں ہم گاؤں کہتے ہیں اور بعض تعریفوں کے مطابق شہر نہیں بنتی ہیں، تو ایسی صورت میں انسان کو کیا کرنا چاہیے، اس بارے میں بحر میں ہے کہ:

وإِذَا اشْتَبَهَ عَلَي الْاِنْسَانِ ذٰلِكَ فَيَنْبَغِي أَن يصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ الْجمْعةِ وَينْوِي بها آخِرَ فَرْضٍ أَدْرَكْتُ وَقْتَهُ وَلَمْ أُوَدِّ بَعْدُ. [2]

اور جب انسان پر جمعہ کی فرضیت مشتبہ ہو جائے تو اسے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت اس طرح پڑھنی چاہیے کہ وہ نیت کرے کہ وہ آخری فرض جس کا میں نے وقت پایا اور ادا نہ کیا۔

1- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج: 5، ص: 131)
2- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج: 5، ص: 131)

بحر میں ہی ہے کہ:

فِي التَّتَارْخَانِيَةِ اِخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي الْقُرَى الْكَبِيرَةِ إِذَا لَمْ يَعْمَلْ بِالْحُكْمِ وَالْقَضَاءِ فِيهَا قَالَ بَعْضُهُمْ: يُصَلِّي الْفَرْضَ وَيُصَلِّي الْجُمُعَةَ مَعَهَا اِحْتِيَاطاً وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُصَلِّي الْأَرْبَعَ بِنِيَّةِ الظُّهْرِ فِي بَيْتِهِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ أَوَّلاً ثُمَّ يَسْعَي وَيَشْرَعُ فِي الْجُمُعَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُصَلِّي الْجُمُعَةَ أَوَّلاً وَقَالَ فِي الْحُجَّةِ هَذَا فِي الْقُرَي الْكَبِيرَةِ أَمَّا فِي الْبِلَادِ فَلَا شَكَّ فِي الْجَوَازِ وَلَا تُعَادُ الْفَرِيضَةُ وَالْاِحْتِيَاطُ فِي الْقُرَي أَنْ يُصَلِّي السُّنَّةَ أَرْبَعاً ثُمَّ الْجُمُعَةَ ثُمَّ يَنْوِي أَرْبَعاً سُنَّةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُصَلِّي الظُّهْرَ ثُمَّ رَكْعَتَينِ سُنَّةَ الْوَقْتِ فَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ الْمُخْتَارُ . (1)



فتاوی تتار خانیہ میں ہے کہ فقہاء کا بڑی بستی میں اختلاف ہے جب اس میں حکم وقضاء نہ ہو تو بعض نے کہا ہے کہ اس بستی میں نماز ظہر اور جمعہ اکٹھی پڑھی جائے احتیاطا، بعض نے کہا ہے کہ: چار رکعت پہلے ظہر کی نیت سے پڑھے گھر میں یا مسجد میں، پھر نماز جمعہ کے لیے جائے، بعض نے کہا کہ پہلے نماز جمعہ پڑھے اور فتاوی الحجہ میں ہے کہ یہ مسئلہ بڑی بستی کے بارے میں ہے لیکن جو شہر ہیں ان میں نماز جمعہ ہو جانے کے بارے میں کوئی شک نہیں اور ان شہروں میں فرض کا اعادہ نہ کیا جائے گا ، اور بستی میں احتیاط یہ ہے کہ چار رکعتیں سنت ادا

1- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج: 5، ص: 137)

کرے، پھر جمعہ ادا کرے، پھر چار رکعت سنت جمعہ پھر ظہر پڑھے پھر دو سنتیں ادا کرے، یہ ہی صحیح و مختار ہے۔

اور باقی رہا یہ مسئلہ کہ چار رکعت پڑھنا واجب ہے یا مستحب، بعض نے مستحب قرار دیا ہے.

بحر میں ہی ہے کہ:

أَمَّا عِنْدَ قِيامِ الشَّكِّ وَالْاِشْتِبَاهِ فِيْ صِحَّةِ الْجُمُعَةِ فَالظَّاهِرُ الْوُجُوْبُ . (1)



صحت جمعہ کے قیام میں شک واشتباہ کے وقت ظاہر مذہب یہ ہی ہے کہ چار رکعتیں پڑھنا واجب ہے۔یہ سب خواص کے لیے ہے اور عوام کے لیے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

انہیں (عوام کو) ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کے ادا کے حوالے سے مطلع نہ کیا جائے۔(2)

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعۃ، ج: 5، ص: 144)

2- (فتاوی رضویہ، باب: صلوۃ الجمعہ، ج: 8، ص: 282)



جس مسجد میں پانچ وقت نماز نہ ہوتی ہو اس میں نماز جمعہ ہو سکتی ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں پانچ وقت نماز باجماعت نہ ہوتی ہو اس مسجد میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جو حکم قرآن و حدیث کا ہو وہ تحریر فرمادیں۔

نوٹ: جمعہ پہلے بھی شروع تھا۔

الجواب منه الهداية والصواب

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد شرط نہیں، جس آبادی کے لوگوں پہ جمعہ کی نماز فرض ہے وہ اپنی آبادی کے کسی چوک یا کسی میدان میں پڑھ لیں تو بھی صحیح ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ: ،

وَالْحُكْمُ غَيرُ مَقْصُوْرٍ عَلَي الْمُصَلِّي بَلْ يجُوْزُ فِي جَمِيعِ أَفْنِيَةِ الْمِصْرِ .[1]

1- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: صلوۃ الجمعہ، ج: 1، ص: 177)

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مصلی (مسجد یا عید گاہ) ہونا ضروری نہیں بلکہ نماز جمعہ کی ادائیگی شہر میں بنائے گئے تمام میدانوں میں جائز ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





باب العیدین (عیدین کا بیان)

الاستفتاء

نماز عیدین میں غلطی ہونے پر سجدہ سہو کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے عید کی پہلی رکعت تو درست طریقے سے پڑھا دی لیکن دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد بلند آواز میں اللہ اکبر کہہ کر نمازیوں کے ہاتھ کانوں کو لگوا دیئے، پھر یاد آنے پر سورت ملائی اور سجدہ سہو نکالا، کیا امام صاحب کو دوبارہ نماز پڑھانی چاہیے تھی یا نماز درست ہو گئی؟ کیونکہ نماز عیدین میں سہو نہیں ہوتا تو پھر اس امام کے بارے میں حکم ارشاد فرمائیں؟

السائل: قاری نادر علی جلالی

الجواب منه الهداية والصواب

اگر عید کی نماز میں شامل افراد کی تعداد زیادہ تھی اور سجدہ کی ادائیگی میں بعض کی نماز کے خراب ہونے کا خطرہ تھا تو سجدہ سہو نہ کرتا تو نماز ہو جاتی بلکہ بہتر ہوتا کہ سجدہ نہ کرتا۔

اور اگر جماعت قلیل تھی تو سجدہ کرنا ضروری تھا اور کر لیا تو نماز درست ہو گئی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

(وَالسَّهْوُ فِي صَلَاةِ العِيدِ وَالْجُمُعَةِ وَالْمَكْتُوبَةِ وَالتَّطَوُّعِ سَوَاءٌ) وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِينَ عَدَمُه فِيْ الْأُوْلَيينِ لِدَفْعِ الْفِتْنَةِ. [1]

(اور سجدہ سہو (کا حکم) نماز عید، نماز جمعہ، فرض نماز اور نفل نماز میں برابر ہے) اور متاخرین کے نزدیک پہلی دو (نماز عید و نماز جمعہ) میں فتنہ کے خاتمہ کے لیے نہ کرنا بہتر ہے۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب: سجود السہو، ج: 5، ص: 388)



باب التراویح (نماز تراویح کا بیان)



رمضان میں لاوڈ سپیکر میں آیت سجدہ کا حکم

گزارش ہے کہ رمضان المبارک میں سنت تراویح ادا کی جاتی ہیں، تلاوت قرآن پاک میں سجدہ تلاوت آتا ہے، لاوڈ سپیکر میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سے گاؤں والے گنہگار تو نہیں ہوتے؟



قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب دیں۔

الجواب منه الهداية والصواب

نماز میں سپیکر کا استعمال بلاضرورت ناجائز ہے، اور قرآن کریم میں ہے کہ:

وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بها وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلًا.[1]

ترجمہ: اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو۔

یعنی نماز نہ زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بالکل دھیمی میں اور اس کے درمیانی راستہ کو اختیار کرو۔

1- (سورہ: اسراء، آیت نمبر:110)

ظاہر ہے کہ سپیکر میں پڑھنے سے آواز بہت اونچی ہوتی ہے جو اس حکم کے خلاف ہے، لیکن سپیکر سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ لازم نہیں آتا کیونکہ وہ آواز حقیقت میں تلاوت ہی نہیں اور سجدہ تلاوت کرنے یا سننے سے لازم آتا ہے یا تلاوت کرنے والے امام کی اقتداء سے، مراقی الفلاح میں ہے کہ:

وَلَا تَجِبُ سَجْدَةُ التِّلَاوَةِ بِسِمَاعِهَا مِنَ الطَّيْرِ عَلَي الصَّحِيحِ وَقِيلَ تَجِبُ .... وَكَذَا الْخِلَافُ بِسَمَعِهَا مِنْ الْقِرْدِ الْمُعَلَّمِ وَلَا تَجِبُ بِسِمَاعِهَا مِنْ الصَّدَي .[1]



پرندے یا سکھائے ہوئے بندر سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ لازم نہیں آتا اور بعض نے واجب کہا اور صدائے باز گشت سے بالاتفاق سجدہ نہیں ہے۔

اور سپیکر کی آواز صدائے باز گشت ہی ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، باب: سجدۃ التلاوہ، ص: 120)

الاستفتاء

قرآن مجید کو نماز میں کھول کر پڑھنا اور امام کو لقمہ دینا کیسا ہے؟



کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر رمضان المبارک میں امام نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے کوئی ایک آدمی کھڑا ہو کر قرآن مجید کھول کر سن رہا ہو، اگر امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو پیچھے کھڑا ہونے والا وہ آدمی اگر امام صاحب کو لقمہ دے تو وہ امام صاحب وہ سن کر صحیح پڑھنا شروع کر دیں، تو کیا اس طرح قرات کرنا صحیح ہے یا غلط؟ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب دیں۔

السائل: محمد یوسف، متعلم بجھی شریف

الجواب منه الهداية والصواب

قرآن کریم ہاتھ میں پکڑ کر اٹھائے رکھنا، اس کو دیکھنا اور پڑھنا، ورق الٹنا نماز کو فاسد کرتا ہے، اگر امام ایسا کرے تو اس کی نماز کے ساتھ سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اگر کوئی مقتدی ایسا کرے تو اس کی نماز فاسد ہو

جائے گی، مگر جب وہ امام صاحب کو بتائے گا اور امام اس کا لقمہ قبول کر لے گا تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس وجہ سے سب کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

رمضان المبارک یا کسی دوسرے وقت میں فرض و نفل کسی بھی نماز میں یہ صورت پائی جائے تو فسادِ نماز کا حکم دیا جائے گا۔

ہدایہ میں ہے کہ:



وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامَ مِنَ الْمُصْحَفِ فَسَدَتْ صَلَاتُه. [1]

جب امام قرآن کریم دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

نیز فرمایا کہ:

أَنَّ حَمْلَ الْمُصْحَفِ وَالنَّظْرَ فِيهِ وَتَقْلِيبَ الْأَوْرَاقِ عَمَلٌ كَثِيرٌ. [2]

قرآن کریم کو اٹھانا، اسے دیکھنا اور ورق الٹنا عمل کثیر ہے۔

اور عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: مایفسد الصلوۃ، ج: 1، ص: 138-139)

2- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب: مایفسد الصلوۃ، ج: 1، ص: 138-139)



باب الجنائز (جنازہ کے مسائل کا بیان)



نو مولود کی نماز جنازہ کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ جو کہ ماں کے شکم میں فوت ہو چکا ہے، اس کے پیدا ہونے پر اس کو کہاں دفن کیا جائے، اس پر جنازہ و فاتحہ خوانی وغیرہ ہے یا کہ نہیں؟

اگر بچہ بوقت پیدائش تو زندہ تھا لیکن اتنی مہلت نہیں ملی کہ اس کے کان میں اذان دی جاسکے اور وہ مر گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب منه الهداية والصواب

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا . [1]

ترجمہ: جو کچھ رسول تمہیں دیں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1- (سورہ: الحشر، آیت نمبر:- 7)

اِعْمَلُوْابِكِتَابِ اللهِ وَلَا تُكَذِّبُوْا بِشَيءٍ مِنْهُ فَمَا اشْتَبَهَ عَلَيكُمْ مِنْهُ فَاسْئَلُوْا عَنْهُ أَهْلَ الْعِلْمِ يخْبِرُوْكُمْ .[1]

قرآن کریم پہ عمل کرو اور اس کی کسی چیز کی تکذیب نہ کرو، پس اگر اس کی کوئی چیز تم پر مشتبہ ہو جائے (اس کا حکم تمہیں معلوم نہ ہو سکے) تو اہل علم سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے۔



قرآن مجید میں ہر حکم کا واضح بیان موجود ہے لیکن اس تک رسائی ہر کسی کو حاصل نہیں، اس لیے علمائے سے دریافت کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِي صُلِّي عَلَيْهِ وَوَرِثَ .[2]

جب پیدائش کے وقت بچہ آواز نکالے تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور اس کا وراثت میں حصہ بھی ہو گا۔

ہدایہ میں ہے کہ:

1- مستدرک، کتاب: معرفۃ الصحابہ، باب: ذکر معقل بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ، ج: 3، ص: 669، حدیث نمبر: 6471

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب: ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل، ج: 1، ص: 483، حدیث نمبر: 1508

(وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّي وَغُسِلَ وَصُلِّي عَلَيْهِ) لِقَوْلِه عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ صُلِّي عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ. وَلِأَنَّ الْاِسْتِهْلَالَ دَلَالَةُ الْحَيَاةِ فَتَحَقَّقَ فِي حَقِّه سُنَّةُ الْمَوْتَي (وَمَنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ أُدْرِجَ فِي خِرْقَةٍ) كَرَامَةً لِبَنِي آدَمَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ. [1]



(اور جو بچہ ولادت کے بعد آواز نکالے تو اس کا نام بھی رکھا جائے گا، اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ: جب بچہ آواز نکالے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر آواز نہ نکالے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اور یہ حکم اس لیے کہ آواز نکالنا زندگی کی دلیل ہے تو پھر اس کے حق میں مردہ کا طریقہ ثابت ہو جائے گا (اور جو بچہ ولادت کے بعد آواز نہ نکالے اس کو کپڑے میں لپیٹا جائے گا) بنی آدم کے احترام کے پیش نظر اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

جس کے لیے نماز جنازہ ہے اس کے لیے فاتحہ خوانی بھی ہے کیونکہ اس کے لیے دنیا سے مر کر جانے والوں کے تمام احکام ثابت ہیں اور جس کے لیے جنازہ

1- ہدایہ، کتاب الصلوۃ، فصل: فی الصلوۃ علی المیت، ج:1، ص:193-194

نہیں اس کے لیے فاتحہ خوانی بھی نہیں اور دفن بہر حال مسلمانوں کے قبرستان میں ہی ہو گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا ناجائز؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

السائل: محمد انور جماعتی، ساکن: جوکالیاں

الجواب منه الهداية والصواب

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا قرآن پاک، حدیث پاک سے ثابت ہے اور قیاساً بھی جائز و درست ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ .[1]

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ:

(فَإِذَا فَرَغْت) مِنَ الصَّلَوةِ (فَانْصَبْ) اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ .[2]



(جب تم فارغ ہو) نماز سے (تو محنت کرو) یعنی دعا میں کوشش کرو۔

نماز جنازہ بھی نماز ہے اس کے بعد بھی بحکم خداوندی کوشش سے دعا مانگنا ثابت ہے۔

نیز قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ ان کو جس کام کا بھی حکم دیا گیا مثلاً: قربانی کرنا، حضرت اسماعیل و حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو مکہ شریف میں چھوڑنا اور تعمیر کعبہ وغیرہ، تو ہر کام کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی ہے اور ہمیں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی سنت ابراہیمی پہ عمل کرتے ہوئے ہر حکم خداوندی کی بجاآوری پہ دعا کرنی چاہیے اور نماز جنازہ پڑھنا بھی ایک حکم کی بجاآوری ہے۔

1- (سورہ: الم نشرح، آیت نمبر: 7)

2- (تفسیر جلالین، سورہ: الم نشرح، آیت نمبر: 7، ص: 580)

حضرت عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یزید بن مکفف کی نماز جنازہ پڑھی، آپ نے چار تکبیرات کہیں پھر چلے یہاں تک کہ آپ میت کے قریب آئے تو اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ نَزَلَ بِكَ الْيَوْمَ فَاغْفِرْ لَه ذَنْبه وَوَسِّعْ عَلَيْهِ مَدْخَلَه فَاِنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اِلَّا خَيراً وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِه .[1]



اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا ہے، آج یہ تیرے سپرد ہے اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کے لیے قبر کو وسیع فرمادے، بے شک ہم اس کے بارے میں بھلائی ہی جانتے ہیں اور تو اس کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

نیز اسلام نے مسلمانوں کے لیے دعا کو ایسا عام رکھا کہ کھاتے، پیتے، بیٹھتے، اٹھتے، مسجد میں داخل ہوتے، مسجد سے نکلتے، سوتے وقت، بیدار ہونے کے بعد الغرض کہ ہر حال میں خصوصی عمومی دعائیں سکھائی ہیں حتی کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے پر اور اس سے نکلنے پر بھی دعا سکھائی ہے۔ ایسے مذہب میں پاک صاف باوضومیت کو سامنے دیکھ کر خدا کا خوف دل میں لیے ہوئے لوگوں کے لیے دعا

1- (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب: فی الدعاء للمیت، ج:3، ص:20، حدیث نمبر:11710)

کرنا کیسے ناجائز تصور کیا جا سکتا ہے اور ممانعت پر بھی کوئی آیت، کوئی حدیث دلالت نہیں کرتی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





سنی کا شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں آدھی آبادی سنیوں کی ہے اور آدھی آبادی شیعوں کی، جب کوئی آدمی مر جائے تو اس پر سنی علیحدہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور شیعہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں، میت چاہے سنیوں کی ہو یا شیعوں کی، قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

السائل: سید احسان الحق، ساکن: شیخوپورہ

الجواب منه الهداية والصواب

جو رافضی ائمہ کرام و اہل بیت کو انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل مانتے ہوں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر ہوں، ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنا اہل سنت کے لوگوں کے لیے ہرگز جائز نہیں، خواہ امام شیعہ ہو یا سنی اور نہ ہی انہیں کسی سنی کے جنازے میں شریک ہونا چاہیے اور نہ انہیں علیحدہ سنی مسلمان کا جنازہ پڑھنے کی اجازت دینی چاہیے۔



قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلي أَحَدٍ منهمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلي قَبْرِهِ .[1]

ترجمہ: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تُصَلُّوْا مَعَهُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ .[2]

نہ ان کے ساتھ جنازہ میں شریک ہو اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھو۔

1- (سورہ: التوبہ، آیت نمبر: 84)

2- (جامع الاحادیث، حرف الہمزہ، ان المشددہ مع الہمزہ، ج: 7، ص: 431، حدیث نمبر: 6621)

نیز شیعہ کی کتاب میں ہے کہ:

إذَا صَلَّيتَ عَلي عَدُوِّ اللهِ فَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اِلَّا أنَّه عَدُوٌّ لَكَ وَلِرَسُوْلِكَ اَللّٰهُمَّ فَاحْشُ قَبْرَه ناراً وَاحْشُ جَوْفَه ناراً وَعَجِّلْ بِه اِلَي النَّارِ فَاِنَّه كَانَ يوَالِيْ أعْدَائَكَ وَيعَادِي أوْلِياءَكَ وَيبْغُضُ أهْلَ بَيتِ نَبِيكَ اَللّٰهُمَّ ضَيقْ عَلَيْهِ قَبْرَه .[1]



جب کسی اللہ کے دشمن کی نماز جنازہ پڑھے تو کہہ:

اے اللہ! ہم اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ تیرا اور تیرے رسول کا دشمن ہے، اے اللہ! اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور اس کے پیٹ میں آگ کو بھڑکا دے اور اس کو جلدی جہنم رسید کر، بے شک یہ تیرے دشمنوں کا دوست اور تیرے دوستوں کا دشمن تھا اور تیرے نبی کی اہل بیت سے بغض رکھتا تھا، اے اللہ! اس کی قبر کو تنگ کر دے۔

لہٰذا ایسے آدمی کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ اس کو اپنے مردوں کے لیے ایسی بددعا کرنے دو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (تحفہ سنیہ، ص:354)

الاستفتاء

نماز جنازہ کی چاروں تکبیرات ادا کرنا ضروری ہیں؟



کیا فرماتے علمائے دین و مفتیاں شرع اس مسئلہ میں کہ ایک امام جس نے نماز جنازہ پڑھائی، جنازے کی آخری تکبیر تک آواز آئی، سلام پھیرنے میں نہ آواز سنائی دی اور نہ ہی منہ کا پھیرنا نظر آیا، علاوہ ازیں امام کا عقیدہ بھی دیوبندیت کی طرف مائل ہے، کیاوہ جنازہ ہوا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: محمد اعظم ولد منظور احمد، سوہادہ بولانی

الجواب منه الهداية والصواب

ایسے امام کی پڑھائی ہوئی نماز جنازہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ امام جب ان لوگوں کو اپنا امام و مقتدی یا کم از کم انہیں مسلمان جانتا ہے جن کی گستاخانہ عبارات کے سبب مسلمانانِ عرب و عجم نے ان کی تکفیر کی اور فرمایا:

مَنْ شَكَّ فِي عَذَابِهِ وَكُفْرِهِ فَقَدْ كَفَرَ. (1)

جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا تو اس نے کفر کیا۔

1- (تمہید الایمان، ص: 141)

تو یہ بھی اس حکم میں ان کے ساتھ شریک ہوا بلکہ ان کے بعد گستاخانہ عبارات لکھنے اور تقاریر میں گستاخیاں بکنے میں بے حد جری، بے باک اور نار سقر پر شوق سے وارد ہوئے، لہٰذا نماز جنازہ قبر پر پڑھی جائے اگرچہ ایک یا چند آدمی پڑھ لیں۔

اگر صحیح العقیدہ سنی نماز جنازہ پڑھائے اور بھول کر چوتھی تکبیر چھوٹ جائے تو مقتدی کو چاہیے کہ چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرے، تو نماز ہو جائے گی۔



اگر کسی کو سلام کی آواز نہ پہنچی تو مقتدی سلام سے اپنی نماز پوری کر لیں تو نماز جنازہ ادا ہو جائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ:

وَصَلَاةُ الْجَنَازَةِ أَرْبَعُ تَكْبِيرَاتٍ وَلَوْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِنْهَا لَمْ تَجُزْ صَلَاتُه.

نماز جنازہ چار تکبیریں ہیں اور اگر ان میں سے ایک چھوڑ دے تو نماز نہ ہو گی۔

اور اسی میں ہے کہ:

وَلَوْ سَلَّمَ الْإِمَامُ بَعْدَ الثَّالِثَةِ نَاسِياً كَبَّرَ الرَّابِعَةَ وَيسَلِّمُ. [1]

اور اگر امام نے تیسری تکبیر کے بعد بھول کر سلام پھیر دیا تو وہ (مقتدی) چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیرے۔

1- (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ، الفصل الخامس: فی الصلوۃ علی المیت، ج: 1، ص: 164-165)

یعنی اگر امام بھول کر تیسری تکبیر کے بعد سلام پھیر دے تو مقتدی کو چاہیے کہ ایک اور تکبیر کہہ کر سلام پھیرے تو اس کی نماز جنازہ ہو جائے گی اور جس نے چوتھی تکبیر چھوڑ دی اس کی نماز نہ ہو گی، اسی پر قیاس کرتے ہوئے صرف سلام کی آواز نہ پہنچی، امام نے آہستہ کہا تو نماز جنازہ صحیح ہو گی بشرطیکہ امام صحیح العقیدہ سنی ہو، اس کی اقتداء میں نماز صحیح ہو سکتی ہے۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



بد مذہب کے لیے دعائے مغفرت کرنا ناجائز ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ رافضی کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے یا نہیں؟ اور کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ اور جو جامعہ جلالیہ منڈی بہاؤالدین کے طلباء بگے شاہ کی رسم قل میں بھیجے گئے اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا شیعہ سنی میں کوئی فرق باقی نہیں رہا؟

بیان فرمائیں، عین نوازش ہو گی۔

السائل: بشیر احمد رضوی، ساکن: کدھر شریف

الجواب منه الهداية والصواب

ہمارے علاقے کے اکثر رافضی تبرائی اپنے کفریہ عقائد کی وجہ سے کافر و مرتد اور واجب القتل ہیں اور اللہ رب العزت کفار کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اصحاب ایمان کو منع فرماتا ہے۔



قرآن کریم میں ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِي قُرْبِي مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ.[1]

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ:

روافض زمانہ میں کسی ایسے کا ملنا جسے ایک ضعیف طور پر مسلمان کہہ سکیں کبریت احمر کے ملنے سے بھی کچھ زیادہ ہی دشوار ہے۔[2]

لہذا ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا حرام قطعی ہے اور اس دعائے مغفرت کو حلال جاننا کفر ہے اور جو اس حرام کام کا ارتکاب کرے وہ سخت گنہگار ہے۔

1- (سورہ: توبہ، آیت نمبر: 113)

2- (فتاوی رضویہ، ج: 5، ص: 286)

یہ مدرسہ کے مہتمم، انتظامیہ اور بھیجنے والے سے پوچھیں، یہ معاملہ بندہ ناچیز کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اور بندہ نا چیز سے غیر متعلق ہے، ہاں! جو فرق ہے وہ بیان کر دیا گیا ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





قادیانی کے لیے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان آدمی کا بھائی جو کہ قادیانی ہے، یہ قادیانی فوت ہو جائے تو مسلمان کا اس کے پاس تعزیت یا ہمدردی کے لیے جانا جائز ہے یا نہیں؟

السائل: محمد لیاقت، چک نمبر: 20، ملکوال

الجواب منه الهداية والصواب

قادیانی کے لیے دعائے مغفرت کرنا حرام اور (اس دعائے مغفرت کو) جائز جاننا کفر ہے۔

اس کے علاوہ مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

السائل: سید بشیر احمد شاہ، خطیب جامع مسجد غوثیہ، کھائی

الجواب منه الهداية والصواب

ناجائز ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ صَلّي عَلي جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلا شَيءَ لَه .[1]

جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لیے کوئی ثواب نہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ:

(وَلَا يصَلَّي عَلَي مَيتٍ فِي مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ) لِقَوْلِ النَّبِي صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّي عَلَي جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أَجْرَ لَه .[2]



جماعت والی مسجد میں نماز جنازہ ادا نہ کی جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب: الصلوۃ علی الجنازہ فی المسجد، ج:3، ص:182، حدیث نمبر:3193)

2- (ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز، فصل: فی الصلوۃ علی المیت، ج:1، ص:193)



قادیانیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:



1: کیا مرزائی یعنی قادیانی کا نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ جو مسلمان مرزائی کا جنازہ پڑھے اور پڑھائے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

2: قادیانی کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

3: مرزائی کے میل جول، لین دین، کھانا، پینا، اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے؟

شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

السائل: اعجاز احمد

الجواب منه الهداية والصواب

زندہ مرزائی کے ساتھ تعلقات رکھنا گناہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيطانُ فَلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ .[1]

ترجمہ: اور جب کہیں تو شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

ان کا جنازہ پڑھنا اور پڑھانا بھی بہت بڑا گناہ ہے، اس کی اعلانیہ توبہ لازم ہے اور اس مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔



قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلي أَحَدٍ منهمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلي قَبْرِهِ .[2]

ترجمہ: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہونا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: الانعام، آیت نمبر: 68)

2- (سورہ: التوبہ، آیت نمبر: 84)

الاستفتاء

میت کا سر قبرستان لے جاتے وقت کس طرف کرنا چاہیے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب میت قبرستان کی طرف لے جائی جائے تو اس کا سر کس طرف کرنا چاہیے؟ جب کہ قبرستان بستی سے مشرق کی طرف ہو اور اگر اس کا سر قبرستان کی طرف کیا جائے تو اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی حرج ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟

السائل: حافظ محمد یونس، سیالکوٹ

الجواب منه الهداية والصواب

جنازہ اٹھا کر چلتے وقت میت کا سر آگے کی طرف رکھنا چاہیے اگرچہ مشرق کی طرف جاتا ہو۔

بحر الرائق میں ہے کہ:

وَفِيْ حَالَةِ الْمَشْيِ بِالْجَنَازَةِ يقَدَّمُ الرَّأْسُ .[1]

1- (بحر الرائق، کتاب الجنائز، باب: الصلوۃ علی المیت فی المسجد، ج: 5، ص: 371)

جنازہ لیکر چلتے وقت سر آگے ہونا چاہیے۔

یہ جو لوگوں کا ذہن ہے کہ کعبہ کی بے ادبی ہوتی ہے، یہ غلط ہے، کیونکہ میت کے پاؤں آگے رکھ کر لے جانے سے میت کو گھسیٹنے کی صورت بنتی ہے جو کہ مسلمان میت کی بے ادبی ہے اور کعبہ سے مسلمان شخص کی تعظیم زیادہ ہے۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



سنی آدمی کا شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام سنی بریلوی نے مسئلہ جاننے کے باوجود شیعہ مذہب کے آدمی کا جنازہ پڑھایا، قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے بارے میں مسئلہ بیان فرمائیں؟

السائل: محمد اکرم مغل، حاجی محمد حسین تارڑ،

الجواب منه الهداية والصواب

پڑھنے اور پڑھانے والے سب سنی گنہگار ہوئے، ان کے لیے اعلانیہ توبہ کرنا لازم ہے اور امام جب تک توبہ نہ کرے اس کی امامت مکروہ ہے۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلي أَحَدٍ منهمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلي قَبْرِهٖ .[1]



ترجمہ: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

حرام قطعی کا ایک بار ارتکاب فسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: التوبہ، آیت نمبر: 84)

الاستفتاء

شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ فوت ہوا، کیا اہلسنت وجماعت سے تعلق رکھنے والے اس کا جنازہ پڑھ سکتے یا کہ نہیں؟ یا پہلے شیعہ پڑھ لیں اور بعد میں اہلسنت پڑھ لیں؟

اس کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی مسئلہ بیان فرمائیں۔



السائل: سید حسین شاہ

الجواب منه الهداية والصواب

رافضی تبرائی اپنے کفریہ عقائد کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور غیر مسلم کا جنازہ پڑھنا اور اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا حرام وناجائز ہے۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلَي أَحَدٍ منهم مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلَي قَبْرِه ۔[1]

1- (سورہ: التوبہ، آیت نمبر: 84)

ترجمہ: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

لہٰذا نہ جنازہ پڑھنا جائز اور نہ ہی فاتحہ۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غائبانہ نماز جنازہ مسلک حنفی کے مطابق کیا حکم رکھتا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

السائل: حافظ محمد ریاض نقشبندی، گجرات

الجواب منه الهداية والصواب

غائبانہ نماز جنازہ نا جائز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو بار ایسا جنازہ پڑھنا منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میت کا ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر نہیں آتا تھا۔

1: شاہ حبشہ کا جنازہ اس طرح پڑھا۔

2: غزوہ موتہ میں جھنڈا اٹھانے والوں اور شہید ہونے والوں کا جنازہ۔



لیکن جہاں ان دونوں موقعوں پر اس طرح جنازہ پڑھنے کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کی موت کی خبر بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دی جیسے کہ آپ انہیں دیکھ رہے ہیں اور بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کی نعشیں جبرائیل علیہ السلام نے اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دی تھیں، اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غائب نہ تھے اور میت کا امام کے آگے ہونا ضروری ہے، اگرچہ مقتدی اسے نہ دیکھ سکے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

بدمذہب امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دیوبندی، وہابی امام نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے والے سنی بھی ہیں اور دیوبندی بھی اور وہ جنازہ گاہ سنی لوگوں نے بنایا ہے اور قبرستان بھی سنیوں کا ہے اور پہلے سنی اس سے اچھی طرح واقف نہیں تھے، اس کا عقیدہ اس بات سے اچھی طرح واضح ہوا کہ جب وہ نماز جنازہ سے فارغ ہوا تو اس نے دعا بعد از نماز جنازہ نہ مانگی، تو اس بات پر سنی لوگوں نے اس سے کہا کہ مولوی صاحب دعا مانگو، تو اس نے کہا کہ یہ دعا مانگنا جائز نہیں بلکہ یہ بدعت ہے، تو اس بات سے سنی لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ وہابی و دیوبندی ہے۔

توبراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں اس بات پہ مطلع فرمائیں کہ وہابی دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ دعا بعد از نماز جنازہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ وہابی، دیوبندی اور سنیوں کے فوت شدگان کا ایک ہی قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟

السائل: محمد افضال، منگووال

الجواب منه الهداية والصواب

بدمذہب امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور ان کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيطانُ فَلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ . [1]

ترجمہ: اور جب کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔



جب عام حالات میں بری مجلس سے پرہیز کرنا ہے تو نماز میں زیادہ پرہیز کرنا چاہیے۔

غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يَأْثِمُوْنَ. [2]

اگرلوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنایاتو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

اسی سے سوال کا جواب بھی حاصل ہو گیاکہ جب زندہ لوگوں کو برے لوگوں سے علیحدہ رہنے کا حکم ہے تو فوت شدگان کو بھی ان سے جدا رکھنا چاہیے۔

نیز اللہ تعالی نے مسجد اقصی کے گرد انبیائے کرام علیہم السلام کے مزارات کے سبب برکت رکھی اور فرمایا:

1- (سورہ: الانعام، آیت نمبر:68)

2- (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص:513)

سُبْحٰنَ الَّذِي أَسْرَي بِعَبْدِهِ لَيلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَي الَّذِي بارَكْنَا حَوْلَه .[1]

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصی تک جس کے گردا گرد ہم نے برکت رکھی۔

توکافر وفاسق لوگوں کی قبروں پہ عذاب کی وجہ سے ان کے قریب بھی کچھ اثر ہو گا، اس لیے اگرانہیں کہیں اور رکھا جا سکے تو اسی طرح کرنا چاہیے۔



نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا قرآن و حدیث سے بطور ایک نیک کام کے ثابت ہے اور دعا مانگنے کا حکم ہے، جو لوگ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا نا جائز کہتے ہیں تو شاید انہوں نے کوئی اور مذہب اپنا رکھا ہے، اسلام تو ایسا مذہب ہے جو انسان کو ہر وقت اور ہر کام کے آغاز واختتام پہ دعا کرنا سکھاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی بیت الخلاء میں داخل ہو تو دعا کرے اور اس سے نکل کر بے وضو ہونے کے باوجود دعا کرے اور اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے دعا کرے، تو نماز جنازہ تو ایک حکم خداوندی ہے، میت کا سامنے ہونا لوگوں کے لیے عبرت بھی ہے، آدمی باوضو بھی ہوتا ہے اور خدا تعالی کی طرف دل سے متوجہ ہوتا ہے تو ایسی حالت میں دعا قبول ہونے کی امید زیادہ ہوتی ہے اور اگر یہ مذہب رکاوٹ ہو کہ اس وقت دعا نہ کریں توایسے مذہب پہ تعجب

1- (سورہ: اسراء، آیت نمبر: 1)

ہے، ایسے مذہب پہ بھی اور ایسے لوگوں پہ بھی جو ایسا مسئلہ اسلام کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ .[1]

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ:



(فَاِذَا فَرَغْتَ) مِنَ الصَّلَاةِ (فَانْصَبْ) اِتْعَبْ فِيْ الْدُعَاءِ .[2]

(جب تم فارغ ہو) نماز سے (تو محنت کرو) یعنی دعا میں کوشش کرو۔

تو نماز جنازہ بھی نماز ہے اس سے فارغ ہو کر بھی دعا میں کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ تعالی دین اسلام کی سمجھ عطا فرمائے اور اس پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: الم نشرح، آیت نمبر: 7)

2- (تفسیر جلالین، سورہ: الم نشرح، آیت نمبر: 7، ص: 580)

الاستفتاء

کیا شیعہ میت پر سنی اپنے سنی عالم کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ عورت جس کی اولاد بھی شیعہ ہے، فوت ہو گئی ہے، شیعہ حضرات نے اس کا علیحدہ جنازہ پڑھا اور اس کے بعد سنی امام نے اپنے مقتدیوں کے ساتھ علیحدہ جنازہ پڑھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہل سنت کے امام اور جنازہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

السائل: ظہور احمد، جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

ہمارے علاقے کے رافضی تبرائی عموماً ایسے عقائد رکھتے ہیں کہ جن میں سے ایک بات کا اعتقاد رکھنا بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اگر مرنے والی کے عقائد اسی قسم کے تھے تو اس کے نماز جنازہ پڑھنے والے اہل سنت سخت قسم کے مجرم اور کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے، ان پر اعلانیہ توبہ کرنا لازم ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ :

وَأَحْكَامُهُمْ أَحْكَامُ الْمُرْتَدِّينَ .[1]

اور ان (بد عقیدہ لوگوں) کے احکام مرتدین کے احکام کی طرح ہیں۔

آج کل عام روافض اسی قسم کے ہیں، ان کے عالم جاہل، چھوٹے بڑے، تقریراً تحریراً علی الاعلان ان کفریات کا اعتراف کرتے اور ان کے معتقد کو مومن کامل جانتے اور اپنا پیشوا و مجتہد مانتے ہیں۔



شفا شریف میں ہے کہ :

وَلِهَذَا نُكَفِّرُ مَنْ لَمْ يُكَفِّرْ مَنْ دَانَ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْمِلَلِ أَوْ تَوَقَّفَ فِيهِمْ أَوْ شَكَّ أَوْ صَحَّحَ مَذْهَبَهُمْ وَإِنْ ظَهَرَ مَعَ ذَلِكَ الْإِسْلَامُ .[2]

ہمارے نزدیک جو کسی غیر مسلم کو کافر نہ مانے یا انہیں کافر کہنے میں توقف کرے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح کہے، وہ کافر ہے اگرچہ اسلام کا مدعی ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ :

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوْآ أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوْآ أُولِي قُرْبِي مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ .[3]

1- (فتاوی ہندیہ، کتاب السیر، مطلب: فی موجبات الکفر، ج: 17، ص: 154)

2- (شفاء، الباب الثالث: فی حکم من سب اللہ تعالیٰ، فصل: فی بیان ماہو من المقالات کفر، ج: 2، ص: 172)

3- (سورہ: توبہ، آیت نمبر: 113)

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





سنی کا بدمذہب کی نماز جنازہ پڑھنا یا پڑھانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل سنت مسلک بریلوی عقیدے کے آدمی کو اہل تشیع مرد یا عورت کا جنازہ پڑھنا یا پڑھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کس قدر؟ جنازہ پڑھنے اور پڑھانے والے کے نکاح اور ایمان میں کوئی نقصان آیا یا کہ نہیں؟ جنہوں نے لاعلمی میں پڑھا ان کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح دیوبندی عقیدے والے مرد و عورت کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح ان کا نکاح پڑھنا یا ان سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

السائل: قاری محمد قاسم، خطیب: جامع مسجد غوثیہ، جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

ہمارے علاقے کے رافضی تبرائی عموماً ایسے عقائد رکھتے ہیں کہ جن میں سے ایک بات کا اعتقاد رکھنا بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اگر مرنے والی کے عقائد اسی قسم کے تھے تو اس کے نماز جنازہ پڑھنے والے اہل سنت سخت قسم کے مجرم اور کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے، ان پر اعلانیہ توبہ کرنا لازم ہے۔



فتاوی ہندیہ میں ہے کہ:

وَأَحْكَامُهُمْ أَحْكَامُ الْمُرْتَدِّينَ .[1]

اور ان (بد عقیدہ لوگوں) کے احکام مرتدین کے احکام کی طرح ہیں۔

آج کل عام روافض اسی قسم کے ہیں، ان کے عالم جاہل، چھوٹے بڑے، تقریراً تحریراً علی الاعلان ان کفریات کا اعتراف کرتے اور ان کے معتقد کو مؤمن کامل جانتے اور اپنا پیشوا و مجتہد مانتے ہیں۔

شفا شریف میں ہے کہ:

وَلِهٰذَا نُكَفِّرُ مَنْ لَمْ يُكَفِّرْ مَنْ دَانَ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْمِلَلِ أَوْ تَوَقَّفَ فِيهِمْ أَوْ شَكَّ أَوْ صَحَّحَ مَذْهَبَهُمْ وَإِنْ ظَهَرَ مَعَ ذٰلِكَ الْإِسْلَامُ .[2]

1- (فتاوی ہندیہ، کتاب السیر، مطلب: فی موجبات الکفر، ج:17، ص:154)

2- (شفاء، الباب الثالث: فی حکم من سب اللہ تعالی، فصل: فی بیان ما ھو من المقالات کفر، ج: 2، ص: 172)

ہمارے نزدیک جو کسی غیر مسلم کو کافر نہ مانے یا انہیں کافر کہنے میں توقف کرے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح کہے، وہ کافر ہے اگرچہ اسلام کا مدعی ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِي وَالَّذِينَ آمَنُوْآ أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوْآ أُولِي قُرْبِي مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ .[1]



ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

اس طرح وہابیہ یعنی اشرف علی تھانوی، خلیل احمد انبیٹھوی، رشید گنگوہی اور قاسم نانوتوی کہ جنہوں نے اپنی کتب حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس وغیرہ میں وہ ملعونہ عبارات لکھی ہیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں شدید گستاخی بنتی ہیں اور ان کے متبعین جو ان عبارات کی تصحیح کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں تو علمائے امت کے فتاوی کی عبارت "من شك في عذابه وكفره فقد كفر" کی سیف مسلول ان کی گردنیں کاٹ رہی ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا پڑھانا بھی روافض کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کی

1- (سورہ: توبہ، آیت نمبر: 113)

طرح گناہ کبیرہ ہے اور ان کے نماز جنازہ پڑھنے والے پر اعلانیہ توبہ کرنا لازم ہے، جیساکہ حسام الحرمین سے ظاہر ہے۔

اگر کوئی آدمی ایسے قطعی کافر کے لیے بخشش کی دعا کرنا جائز اور کار ثواب جانے تو جنازہ پڑھے یا نہ پڑھے وہ کافر ہو گا اور اس کے لیے تجدید اسلام ضروری ہے اور اگر بیوی رکھتا تھا اور آئندہ بھی اسے رکھنا چاہتا ہے تو تجدید نکاح بھی لازم ہے۔



ردالمحتار میں ہے کہ:

مَایَکُوْنُ کُفْراً اِتِّفَاقًا یُبْطِلُ الْعَمَلَ وَالنِّکَاحَ وَمَا فِیْهِ خِلَافٌ یُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِوَالتَّوْبَةِ وَتَجْدِیدِ النِّکَاحِ.[1]

جو بات علمائے کرام کے ہاں اتفاقاً کفر ہو اس سے تمام اعمال ضائع اور نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور جس بات کے کفر ہونے میں علمائے کرام کا اختلاف ہو تو اس کے مرتکب کو استغفار و توبہ و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (حاشیہ ردالمحتار، ج:4، ص:414)



نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از نماز جنازہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز ہر نماز کے بعد دعا کا شرعی حکم کیا ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں بیان فرمائیں۔



السائل: حافظ محمد بشیر احمد، خطیب: جامع مسجد خلاص پور، جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

دعا کرنا بہترین عبادت ہے۔ نماز جنازہ اور دوسری نمازوں کے بعد دعا کرنے کا حکم ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اس فرمان ''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ'' کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ .[1]

1- (جامع ترمذی، تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ البقرہ، ج: 5، ص: 211، حدیث نمبر: 2969)

دعا عبادت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

إذَاصَلَّيْتُمْ عَلَي الْمَيتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ .[1]

جب میت پہ نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خالص دعا کرو۔



قرآن کریم میں ہے کہ:

فَإذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ .[2]

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ:

(فَإذَا فَرَغْت) مِنَ الصَّلَوةِ (فَانْصَبْ) اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ .[3]

(جب تم فارغ ہو) نماز سے (تو محنت کرو) یعنی دعا میں کوشش کرو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب: الدعاء للمیت، ج:3، ص:188، حدیث نمبر:3201)
2- (سورہ: الم نشرح، آیت نمبر:7)
3- (تفسیر جلالین، سورہ: الم نشرح، آیت نمبر:7، ص:580)

الاستفتاء

میت کو قبرستان لے جانے کا طریقہ کیا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین میت کو قبرستان کی طرف لے جاتے وقت سر کو آگے رکھنا چاہیے یا پاؤں کو؟



الجواب منه الهداية والصواب

میت کی چارپائی کو اٹھا کر چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی ایک بار چارپائی پکڑ کر اٹھائیں، جس طرف میت کا سر ہو اس کے دائیں پایہ کو پہلے اٹھایا جائے، پھر اس طرف کا پچھلا، پھر بائیں طرف کا اگلا، پھر بائیں طرف کا پچھلا، تو دائیں طرف کے اٹھانے والے پہلے پایہ کو دائیں کندھے پہ رکھیں تو اس طرح جس طرف میت کا سر ہے اس طرف اٹھانے والوں کا منہ ہو گا۔ تو میت کا سر آگے ہی رہنا چاہیے، پاؤں اگرچہ قبلہ کی طرف کیوں نہ ہوں یا قبرستان ہی کی طرف کیوں نہ ہوں۔

تبیین الحقائق میں ہے کہ:

وَفِي الذَّهَابِ بِالْجَنَازَةِ يَقَدَّمُ الرَّ أْسُ . [1]

1- (تبیین الحقائق، کتاب الصلوۃ، باب: کیفیۃ صلوۃ الجنازۃ، ج: 3 ص: 207)

میت کو اٹھا کر چلنے کی حالت میں سر آگے رکھا جائے۔

تو اس میں میت اٹھا کر چلنے کا طریقہ واضح ہو گیا تو اس سے پتہ چلا کہ میت کے پاؤں جس طرف بھی ہوں اس میں کوئی حرج نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم




کتاب الصوم (روزے کا بیان)



دس ذو الحج کا روزہ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے بزرگ حضرات ذو الحج کی یکم تاریخ سے دس ذو الحج تک روزے رکھتے ہیں، جبکہ دس ذو الحج کا روزہ قربانی کے گوشت سے افطار کرتے ہیں، دن کے وقت جب قربانی کا گوشت تیار ہو جائے تو پکا کر اس سے دن کے وقت افطار کرتے ہیں۔



بعض بزرگ حضرات صرف ذوالحج کی دس تاریخ کا روزہ رکھتے ہیں، قربانی کا گوشت تیار کرواکے اس سے افطار کرتے ہیں۔

قربانی کے گوشت کی حیثیت اور روزہ کی حیثیت واضح کریں کہ کہاں تک جائز ہے؟

کیاخالی دس ذوالحج کا روزہ رکھا جا سکتا ہے؟

سنا ہے کہ ان دنوں کا روزہ حرام ہے؟

السائل: محمد فاضل، مدرس عربی گورنمنٹ ہائی سکول وگھ، ضلع جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق (11-12-13ذوالحج) کا روزہ رکھنا منع ہے۔

اگر کوئی آدمی ان دنوں کا روزہ رکھے تو گنہگار ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

نهي رسول الله صلي الله عليه وسلم عن صيامين يوم الأضحي ويوم الفطر.(1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:



أَنْ لَّا تَصُوْمُوْا هَذِهِ الأَيامِ فَإِنَّهَا أَيامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَبِعَالٍ. (2)

ان ایام (عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق) کا روزہ نہ رکھو، بے شک یہ کھانے، پینے اور جماع کے دن ہیں۔

البتہ عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھائے اور نماز کے بعد قربانی کا گوشت اس کی غذا ہو، لیکن اسے روزہ نہ کہا جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:

أَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِي صلي الله عليه وسلم: صِيامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةِ أَيامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْغَدَاةِ. (3)

1- جامع ترمذی، باب الصوم، فصل: کراھیۃ الصوم یوم الفطر والنحر، ج: 3، ص: 146، حدیث نمبر: 776

2- المعجم الکبیر، باب العین، احادیث عبداللہ بن عباس، ج: 11، ص: 232، حدیث نمبر: 11613

3- سنن نسائی، کتاب الصیام، باب: کیف یصوم ثلاثۃ ایام من کل شھر، ج: 2، ص: 135، حدیث: 2724

چار چیزیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں چھوڑیں:

☆۔۔۔: محرم کی 10 تاریخ کا روزہ،

☆۔۔۔: ذو الحج کے پہلے عشرے کے روزے،

☆۔۔۔: ہر ماہ میں تین دن کے روزے،

☆۔۔۔: صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں (یعنی سنت فجر)۔



لیکن علماء نے اس کی وضاحت میں فرمایا کہ ذو الحج کے عشرہ سے نو دن کے روزے مراد ہیں اور عاشوراء کے روزے کے ساتھ بھی ایک روزہ پہلے یا پیچھے ملانا چاہیے، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَئِنْ بَقِيتُ إِلَي قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ. (1)

اگر میں آئندہ سال تک (دنیا میں ظاہری حیات کے ساتھ) باقی رہا تو نو محرم کا روزہ رکھوں گا۔

حضرت کمال ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ:

وَكَذَا صَوْمُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَيَسْتَحَبُّ أَنْ يَصُوْمَ قَبْلَه يَوْمًا أَوْبَعْدَه يَوْماً فَإِنْ أَفْرَدَه فَهُوَ مَكْرُوْهٌ. (2)

1- (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب: ای یوم یصام فی عاشوراء، ج:3، ص:151، حدیث: 2723)

2- (فتح القدیر، کتاب الصوم، باب: مایوجب القضاء والکفارہ، ج: 4، ص: 375)

دس محرم کے ساتھ پہلے یا پیچھے ایک دن کا روزہ ملانا مستحب ہے، اگر اکیلا عاشوراء کا روزہ رکھے تو مکروہ ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِي صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يخْرُجُ يوْمَ الْفِطْرِ حَتَّي يطْعَمَ وَكَانَ لَا يأْكُلَ يوْمَ النَّحْرِ شَيئاً حَتَّي يرْجِعَ فَيأْكُلَ مِنْ أُضْحِيتِه.[1]



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز کے لیے (چند کھجوریں) تناول فرما کر تشریف لے جاتے اور عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے یہاں تک کہ واپس آ کر اپنی قربانی (کے گوشت) سے تناول فرماتے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سنن دار قطنی، کتاب العیدین، ج: 2، ص: 45، حدیث: 7)

الاستفتاء

روزہ کی نیت کب تک معتبر ہے

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے روزہ افطار کیا اور بیمار ہو گیااور رات کے وقت کہا کہ میں صبح روزہ نہیں رکھوں گا، پھر سحری کا کھانا کھایااور کھانا کھاتے وقت یہ سوچ رہا تھا کہ آیاروزہ رکھوں یا نہ رکھوں، اتنی دیر میں سحری کا وقت ختم ہو گیا، اگر ضحوہ کبری سے پہلے پہلے روزہ کی نیت کرے تو کیااس کاروزہ ہو جائے گا؟



حالانکہ ضحوہ کبری تک اس نے کچھ کھایاپیانہیں۔

السائل: شاہد مقبول نقیبی، عدالت آباد

الجواب منه الهداية والصواب

طلوع فجر سے شام غروبِ آفتاب تک جو وقت ہے اس کاآدھا وقت گزارنے سے پہلے رمضان المبارک کے ادا روزے کی نیت جس وقت بھی کرے روزہ درست ہو جائے گا۔

مراقی الفلاح میں ادائے رمضان، نذر معین اور نفلی روزہ کا ذکر کر کے فرمایاکہ:

(فَيَصِحُّ) كُلٌّ مِنْ هَذِهِ الثَّلَاثَةِ (بِنِيَّةٍ) مُعَيَّنَةٍ مُبَيَّتَةٍ (مِنَ اللَّيلِ) وَهُوَ الْأَفْضَلُ وَحَقِيقَةُ النِّيَّةِ قَصْدُه عَازِماً بِقَلْبِه صَوْمَ غَدٍ وَلَا يَخْلُوْ مُسْلِمٌ عَنْ هَذَا فِي لَيَالِيَ شَهْرِ رَمَضَانَ إِلَّا مَا نَدَرَ وَلَيسَ النُّطْقُ بِاللِّسَانِ شَرْطاً وَنَفْيُ الصِّيَامِ مِمَّنْ لَمْ يَبِيتْ النِّيَّةَ نَفْيُ كَمَالٍ فَتَصِحُّ النِّيَّةُ وَلَوْ نَهَاراً (إِلَي مَا قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ). (1)

پس یہ تینوں (ادائے رمضان، نذر معین اور نفلی روزہ) رات میں کی گئی معین نیت کے ساتھ صحیح ہوں گے اور (رات کو نیت کرنا) افضل ہے، اور نیت کی حقیقت یہ ہے کہ کل کے روزے کا دل سے پختہ ارادہ کرنا اور کوئی مسلمان بھی رمضان کی راتوں میں اس (ارادہ) سے خالی نہیں سوائے چند ایک کے، اور زبان سے بولنا شرط نہیں ہے، اور جو رات کو نیت نہ کرنے والے سے روزے کی نفی کی گئی ہے تو اس سے مراد کمال کی نفی ہے، پس نیت صحیح ہے اگرچہ دن کو نصف النہار سے پہلے پہلے ہو۔



یعنی رمضان المبارک کے فرض ادا روزے، کسی دن کو معین کر کے اس دن کے روزے کی منت مانی ہو یا سال کے عام دنوں میں کسی دن بھی نفلی روزہ رکھنا ہو تو ان تمام کی نیت طلوع فجر سے پہلے رات کو کر لینا افضل ہے، اگر کسی نے دن کو روزہ کی نیت کر لی تو بھی روزہ صحیح ہو گا، لیکن اگر آدھا وقت گزرنے سے پہلے نیت کی تھی اور طلوع فجر سے لیکر نیت کرنے تک درمیان روزے کے منافی (کھانا، پینا، جماع کرنا) کوئی چیز نہ پائی گئی تو روزہ صحیح ہے۔

1- (مراقی الفلاح، کتاب الصوم، فصل: فیما لا تشترط تبییت النیۃ، ج: 1، ص: 242)

آج کل تقریباً گیارہ بجے ضحوہ شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک روزہ کا آدھا وقت گزر چکا ہوتا ہے، اس لیے اگر ضحوہ سے پہلے نیت کرلی تو صحیح ورنہ نہیں۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





روزے میں قے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جس نے رمضان المبارک کے روزے کی حالت میں قے کی جبکہ ایک ہی بار منہ بھر کر آئی تھی، اس پر حکم شرعی بتائیں؟

السائل: حافظ محمد داؤد، وزیر آباد، گوجرانوالہ

الجواب منه الهداية والصواب

منہ بھر کر کوشش سے قے کرے یا ایسی قے خود بخود آ جائے تو اس میں سے کچھ ارادے سے واپس لے جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے، اس کے علاوہ

قے کی باقی صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا، فقہ کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





کتاب الزکاۃ والصدقہ

(زکاۃ اور صدقہ کا بیان)

الاستفتاء

مدرسہ کی تعمیر کے لیے صدقہ فطر، زکوۃ اور قربانی کی کھالیں لینے کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے وضو اور طہارت خانوں کے اوپر امام و خطیب کی رہائش کا مکان ہے جو کہ مسجد کے لیے وقف ہے، اس کے اوپر مدرسہ کی عمارت بنائی گئی ہے، جس میں تعمیر کا کافی کام رہتا ہے، جس کے لیے فنڈز کی ضرورت ہے، عوام الناس کی عدم دلچسپی سے کام رکا ہوا ہے، کوئی اور ذریعہ بھی نہیں جبکہ عدم دلچسپی اور فنڈز کی کمی کی وجہ سے کوئی بیرونی طلباء اور مدرسہ کے لیے کوئی الگ مدرس بھی مقرر نہیں، امام اور خطیب صاحب مقامی بچوں کو جمع کر کے صبح کے وقت ناظرہ پڑھاتے اور قرآن کا درس دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مدرسہ کی تعمیر کے لیے قربانی کی کھالیں جمع کر کے فروخت کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

اور کھالوں کے جمع کرنے کا اعلان کرنا اور مدرسہ کی تعمیر کے لیے کھالیں جمع کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟

نیز فطرانہ اور زکوۃ بھی اس مدرسہ کی تعمیر کے لیے حاصل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

یاد رہے کہ مدرسہ کی عمارت طہارت خانوں اور وضو والی جگہ کے اوپر اور امام وخطیب کی رہائش جو کہ مسجد کے لیے وقف ہے، کے اوپر ہے۔

الجواب منه الهداية والصواب



صدقہ فطر، عشر اور زکوۃ کی ادائیگی کسی مستحق فرد کی تملیک سے مشروط ہے، جب تک اس مال کا اس کے حقدار کو مالک نہ بنایا جائے ادائیگی صحیح نہ ہو گی اور کسی ایسی صورت میں اس کا استعمال جائز نہیں جس میں تملیک نہ ہو۔

قربانی کی کھالوں کے لیے تملیک کی شرط نہیں ہے، بصورت چمڑا غنی، سید اور فقیر ہر کسی کو دے سکتے ہیں اور گھر میں اپنے مصرف میں بھی لا سکتے ہیں اور کسی بھی نیک کام پر خرچ کر سکتے ہیں، اگر بیچ کر رقم حاصل کرے تو اس کو زکوۃ کے مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

صدقہ فطر اور زکوۃ کے پیسے درس گاہ پہ خرچ کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقہ، فطرانہ اور زکوۃ کے پیسے درس کی تعمیر پر خرچ کیے جاسکتے ہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں۔



السائل: قاری توقیر احمد، امام مسجد نواں لوک

الجواب منه الهداية والصواب

زکوۃ وصدقہ فطر میں مستحق کو اس مال کا مالک بنا دینا ادائیگی کے لیے شرط ہے، جب تک تملیک نہ پائی جائے زکوۃ وصدقہ فطر کی ادائیگی صحیح نہیں، لہذا مسجد، مدرسہ کی عمارت، مدرسہ کا وہ سامان جس کا کوئی مستحق مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ اشیاء وقف ہوتی ہیں اور مدرسہ میں رہنے والے طلباء کے مصرف میں رہتی ہیں، جب طالب علم مدرسہ چھوڑ جاتا ہے تو وہ اشیاء وہیں پر چھوڑ جاتا ہے، ان اشیاء اور عمارت پر زکوۃ وصدقہ فطر بغیر حیلہ خرچ کرنا جائز نہیں۔

حیلہ یہ ہے کہ کسی معتمد علیہ مستحق کو وہ رقم دی جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو بطور صدقہ دے دے تو وہ اس کی طرف سے نفلی صدقہ ہو گا اور نفلی صدقہ ان اشیاء پر بھی صرف ہو سکتا ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





باب الاضحیہ (قربانی کا بیان)

الاستفتاء

عقیقہ کے جانور میں سات حصے جائز ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور میں سات شخص برابر کے شریک ہو سکتے ہیں، اسی طرح اگر سات عقیقہ ہوں مثلاً محلّہ کے سات بچے پیدا ہوئے ہیں اور ان بچوں کے والدین اکھٹے ہو کر ایک ہی بڑا جانور خرید کر عقیقہ کرنا چاہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ اس طرح اکھٹے ہو کر ایک ہی جانور سے عقیقہ کر سکتے ہیں؟



الجواب منه الهداية والصواب

جائز ہے، حضرت علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ''بہار شریعت'' میں فرماتے ہیں کہ:

اگر عقیقہ میں گائے ذبح کی جائے تو لڑکے کے لیے دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ کافی ہو گا۔[1]

یعنی سات حصوں میں سے دو حصے یا ایک حصہ۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (بہار شریعت، باب: قربانی، حصہ: 15، ج: 2، ص: 103)

الاستفتاء

فیس وصول کرنے والے ادارے کو قربانی کا چمڑا دینا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ ان مسائل میں کہ:

☆: صحیح العقیدہ مسلمان بد مذہب وغیرہ کے ساتھ قربانی دے سکتا ہے؟



☆: چرمہائے قربانی کا صحیح مصرف کیا ہے؟ کیا وہ ایسے دینی ادارہ کو دی جا سکتی ہے جہاں طلبہ سے فیس وغیرہ لی جاتی ہو اور ادارہ کی جگہ وقف بھی نہ کی گئی ہو؟

السائل: محمد اکبر ولد محبت خان، کھائی

الجواب منه الهداية والصواب

☆: گائے، بھینس اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو کر برابر حصہ دار ہوں تو قربانی ہو سکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ہر آدمی کی نیت عبادت کی ہو اور وہ عبادت کا اہل بھی ہو، اگر شرکاء میں سے ایک آدمی بھی عبادت کا اہل نہ ہو یا گوشت کے لیے قربانی کرے تو ان کی قربانی نہ ہو گی۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيا أَوْ رَجُلاً يرِيدُ اللَّحْمَ لَمْ يجْزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ. (1)

اور اگر قربانی کرنے والے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی ہو یا کوئی ایسا آدمی ہو جو گوشت کا ارادہ رکھتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی قربانی نہیں ہو گی۔

اگر سات میں سے کوئی ایک کافر ہو یا گوشت کا ارادہ کرے تو کسی کی قربانی نہیں ہے۔



لہٰذا قربانی کو صحیح عبادت بنانے کے لیے ایسے لوگوں کو شریک نہ کرے کیونکہ اکثر افراد مذاہب باطلہ کے کافر ہیں۔

☆: کھال کو صدقہ کرے یا مصلی وغیرہ بنا کر خود استعمال کرے، دونوں طرح جائز ہے اور کھال بھی کسی کو دے، جسے بھی دے، جائز ہے، اگر کھال بیچ دی تو رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے اور سوال میں مذکورہ ادارہ صدقے کا مصرف نہیں، یہ کاروباری ادارہ ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

(وَيتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا) لِأَنَّه جُزْءٌ مِنْهَا (أَوْ يعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيتِ). (2)

1- (ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج:4، ص:449)

2- (ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج:4، ص:450)

اس کے چمڑے کو صدقہ کرے کیونکہ وہ اسی کا جزء ہے یا اس چمڑے سے گھریلو استعمال کے لیے کوئی آلہ بنا لے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





کسی دوسرے ملک میں رقم بھجوا کر قربانی کرنا جائز ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں دار الحرب ہے، قربانی کرنا دشوار ہے، آپ اپنے گھر یا شہر میں قربانی کا جانور ذبح نہیں کر سکتے، چند مقامات گورنمنٹ نے مختص کر رکھے ہیں، جہاں قربانی کر سکتے ہیں لیکن وہاں اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ قربانی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اکثر لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم اپنی قربانی پاکستان، انڈیا یا کسی اور ملک میں عزیز و اقارب کو رقم ارسال کر کے کروا سکتے ہیں کیونکہ ان ملکوں میں ایک تو غریب بہت ہوتے ہیں اور یہاں ہالینڈ میں تو سارے لوگ امیر ہوتے ہیں۔

السائل: عباس علی

الجواب منه الهداية والصواب

اپنے احباب و اقارب میں سے کسی کو معین کر کے قربانی کرنے کا کہہ دے یا لکھ دے تو وہ فرد کہنے والے کی طرف سے وکیل ہو گا اور مؤکل کی طرف سے قربانی کر دے تو اس (مؤکل) کی قربانی ادا ہو جائے گی، جب کہ مؤکل پر وہاں کے وقت کے مطابق دسویں ذوالحج کی صبح ہو چکی ہو اور جہاں قربانی ذبح کی جا رہی ہو وہاں بھی قربانی کے وقت میں ہی ذبح ہوئی ہو تو مطلب یہ ہے کہ دس ذو الحج کی فجر طلوع ہونے کے ساتھ قربانی مؤکل پر واجب ہو گی اور جس ملک میں اس نے اپنے قریبی کو وکیل بنایا، اس کے لیے دسویں ذوالحج کی فجر بہت پہلے طلوع ہوئی، مثلاً: پاکستان اور امریکہ میں بارہ گھنٹے کا فرق ہے اور امریکہ میں مقیم آدمی اپنے پاکستانی قریبی کو قربانی کرنے کا وکیل کرے تو پاکستانی آدمی اپنے ہاں عید کی نماز پڑھ کر امریکی آدمی کی قربانی نہ کرے بلکہ ایسے وقت میں کرے جب کہ امریکی آدمی کے لیے دسویں ذوالحج کی فجر طلوع ہو چکی ہو، کیونکہ اس سے پہلے امریکی آدمی پر واجب نہیں ہوئی اور واجب ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تو نفلی ہو گی اور ذبح کے لیے ذوالحج کی 10-11-12 تین دن ہیں، ان کا مقام ذبح میں اعتبار کیا جائے گا۔



کنزالدقائق میں ہے کہ:

(قَوْلُه: وَهُوَ إِقَامَةُ الْغَيرِ مَقَامَ نَفْسِه فِي التَّصَرُّفِ) أَي الْجَائِزِ الْمَعْلُوْمِ.[1]

1- (کنزالدقائق، کتاب الوکالہ، فصل: فی صفۃ الوکالہ، ج: 19، ص: 9)

کسی جائز معلوم کام میں کسی کو اپنا نائب بنانا توکیل ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِيْ ذَالِكَ مَكَانُ الْأُضْحِيَةِ . [1]

قربانی کے لیے مقام ذبح کا اعتبار ہے۔

اور وجوب کے لیے قربانی کرنے والے یعنی جس کی طرف سے قربانی ہو اس کا اعتبار ہے۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



بیٹے کی طرف سے دیئے جانے والے جانور کو والد کا اپنی طرف سے قربان کرنا درست ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی اپنے ایک بیٹے کے ساتھ رہتا ہے جبکہ اس کے دوسرے بیٹے کا گھر علیحدہ ہے، قربانی کے موقع پر علیحدہ

1- (ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج:4، ص:446)

رہنے والے بیٹے نے اپنے باپ کو قربانی کے لیے جانور پیش کیا یا قربانی کی قیمت پیش کردی، باپ نے اپنی طرف سے قربانی کردی جبکہ اس بیٹے نے اپنی قربانی نہیں کی، کیا یہ قربانی باپ کی شرعاً ہوئی یا نہ ہوئی؟

السائل: حافظ محمد امیر حمزہ

الجواب منہ الهداية والصواب



صورت مسؤلہ میں جسے جانور یا قربانی کے حصے کی رقم جائز و مباح طریقے سے حاصل ہوئی اور وہ اس کا مالک بن گیا تو اسے بطور قربانی بارگاہِ خداوندی میں پیش کرے اور از روئے شرع جانور میں عمر کی کمی یا قربانی ادا ہونے کے لیے کوئی عیب موجود نہ ہو تو اس کی قربانی کی ادائیگی میں کوئی نقص نہیں، قربانی کرنے والا خود جائز طریقے سے مال کمائے یا اپنی اولاد سے لے لے یا کوئی اور بطور نذرانہ، ہدیہ یا ہبہ دے دے، یہ سب طریقے مباح ہیں اور باپ اولاد کا مال اولاد کی مرضی کے بغیر بھی اپنی حاجت میں استعمال کر سکتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! بے شک میرے پاس مال اور اولاد ہے، اور میرے والد میرے مال کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ .[1]

تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے۔

اگر بیٹا فوراً اپنا مال باپ کو نیک کام میں صرف کرنے کے لیے دیتا ہے تو یہ اس کی خوش بختی ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيكَ .[2]



ترجمہ:- میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔

البتہ اتنی سی بات ضرور ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ اگر بیٹا صاحب نصاب ہے اور قربانی اس پر واجب ہے تو اسے اپنی قربانی بھی ضرور کرنی چاہیے، اگر نہ کرے تو گنہگار ہو گا، اگر اس پر قربانی واجب نہیں تو اپنی قربانی نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب: ما للرجل من مال ولده، ج: 2، ص: 769، حدیث نمبر: 2291)

2- (سورہ: لقمان، آیت نمبر:14)

الاستفتاء

کیا ساتوں حصہ داروں کی مرضی سے اجزائے گوشت میں تصرف جائز ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی گائے ذبح کرنے کے بعد ساتوں حصے دار خوشی اور رضامندی سے اجازت دیں کہ کلیجی دل وغیرہ پکاؤ تاکہ باقی گوشت تیار ہونے تک پک جائیں اور کھا لیں۔ اس کا تیسرا حصہ نہ نکالیں مگر ساتوں حصہ داروں کی مرضی سے ہو، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ قربانی ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب منه الهداية والصواب

قربانی درست ہو گی اور ایسا کرنا جائز ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

قربانی کی کھال کی رقم کا مصرف کون ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالوں کی رقم کن حضرات کو لگتی ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

قربانی کی کھال وغیرہ صدقہ کرنا بہتر ہے اور صدقہ فقراء پر کیا جاتا ہے اور مناسب یہ ہے کہ چمڑا ہی کسی فقیر یا دینی مدرسے کو دے، اگر خود فروخت کرے تو اس میں کراہت ہے اور رقم کو صدقہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَتِهِ فَلَا أُضْحِيَةَ لَهُ.[1]

جس نے قربانی کا چمڑا بیچا تو اس کی قربانی (کامل) نہیں ہوئی۔

ہدایہ میں ہے کہ:

1- (مستدرک، کتاب التفسیر، باب: تفسیر سورۃ الحج، ج: 2، ص: 422، حدیث نمبر: 3468)

وَلَوْ بَاعَ الْجِلْدَ أَوْ اللَّحْمَ بِالدَّرَاهِمِ أَوْ بِمَا لَا يَنْتَفِعُ بِهِ إِلَّا بَعْدَ اِسْتِهْلَاكِهِ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ. [1]

پس اگر کسی نے چمڑا یا گوشت دراہم یا کسی ایسی چیز کے بدلے میں بیچا کہ جس کو ہلاک کیے بغیر اس سے نفع اٹھانا ممکن نہیں تو اس معاوضہ کو صدقہ کرنا لازم ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





سربراہ کی موجودگی میں کسی اور کا قربانی کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کنبہ کا سربراہ والد ہو تو اس کے لڑکوں میں سے کوئی قربانی دے سکتا ہے یا نہیں

السائل: محمد ارشد ولد شان علی، بھکھی شریف

1- (ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج:4، ص:451)

الجواب منه الهداية والصواب

اگر کنبہ کا سربراہ صاحب نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے، وہ قربانی کردے تو اس کا واجب ادا ہو گا، نہ کرے تو واجب ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔

اس کے کنبہ میں سے کوئی دوسرا فرد قربانی کرے تو نفلی ہو گی اور وہ جائز ہے، اگر صاحب نصاب ہو تو اس پر بھی واجب ہے، اگر کوئی بھی صاحب نصاب نہ ہو تو نفلی قربانی جو کرے اسے ثواب ملے گا۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

بد مذہب کے ساتھ مل کر قربانی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور میں اہل سنت و جماعت (بریلوی) کے ساتھ دیگر مذاہب (شیعہ، وہابی وغیرہ) کی شرکت شرعا کیسی ہے؟ قربانی میں ان کی شرکت سے دوسروں کی قربانی جائز ہو گی یا نہیں؟

السائل: سید نبی حسین شاہ، چک نو بہار



الجواب منه الهداية والصواب

قربانی میں شریک افراد کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک کی نیت قربانی کی ہو، ورنہ کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

لَنْ يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰي مِنْكُمْ .[1]

ترجمہ: اللہ کو ہر گز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون، ہاں! تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

1- (سورہ: حج، آیت نمبر: 37)

ہدایہ میں ہے کہ:

وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيا أَوْ رَجُلاً يرِيدُ اللَّحْمَ لَمْ يجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ. (1)

اور اگر قربانی کرنے والے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی ہو یا کوئی ایسا آدمی ہو جو گوشت کا ارادہ رکھتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی قربانی نہیں ہو گی۔



چونکہ وہابی اور شیعہ کی کوئی عبادت ہی معتبر نہیں،، اس لیے انہیں قربانی میں شامل کرنا جائز نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج:4، ص:449)

الاستفتاء

قربانی کا نصاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کے پاس حاجات اصلیہ کے علاوہ اتنا سامان موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر بنتی ہے، تو کیا اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟



السائل: شیر محمد، چار چک شمالی

الجواب منه الهداية والصواب

ایسے شخص پر قربانی واجب ہے۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ:

وَنِصَابٌ يجِبُ بِه أَحْكَامٌ أَرْبَعَةٌ: حُرْمَةُ الصَّدَقَةِ وَوُجُوْبُ الْأُضْحِيَةِ وَصَدَقَةُ الْفِطْرِ وَنَفَقَاتُ الْأَقَارِبِ وَلَا يشْتَرَطُ فِيْهِ النَّمَاءُ .(1)

ایک نصاب وہ ہے جس سے چار احکام متعلق ہیں: (جس کے پاس وہ نصاب مال موجود ہو تو اس پر) صدقہ کا مال لینا حرام ہو جاتا ہے اور قربانی

1- (عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الزکوۃ، باب: صدقۃ الفطر، ج: 3، ص: 227)

واجب ہوتی ہے اور صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اور (بعض محتاج) رشتے داروں کا خرچہ واجب ہوتا ہے اور اس نصاب میں نمو کی شرط بھی نہیں ہے۔

یہ وہ نصاب ہے کہ چاندی یا سونے میں سے کوئی ایک کے نصاب کے مطابق اس کے پاس حاجات اصلیہ سے زائد کوئی مال موجود ہو اگرچہ وہ مال نامی (بڑھنے والا مال) نہ ہو اور اس پر سال بھی نہ گزرا ہو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





سود خور کے ساتھ قربانی میں حصہ ڈالنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان آدمی اعلانیہ سود کھاتا پیتا ہے، توبہ وغیرہ بھی نہیں کرتا، قربانی میں اس مسلمان کو حصہ دار بنانا کیسا ہے؟



السائل: محمد لیاقت، چک نمبر: 20، ملکوال

الجواب منه الهداية والصواب

کبیرہ گناہ کا اعلانیہ ارتکاب کرنے والے کو ایسے لوگوں میں حصہ دار نہ بنایا جائے جو کبائر سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ بعض اوقات ایک آدمی کی خرابی کی وجہ سے سب کی قربانی ضائع ہو جاتی ہے، جیسے ایک آدمی کی نیت ہو کہ قربانی میں حصہ رکھ لیتا ہوں تاکہ کھانے کے لیے گوشت کافی میسر آ جائے گا اور کسی سے مانگنا نہیں پڑے گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم


کتاب النکاح (نکاح کا بیان)



بد مذہب سے نکاح کا شرعی حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جس کے عقائد مسلک علمائے دیوبند والے ہیں اور اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کا انکار کیا ہے، اس شخص کے ساتھ اہل سنت وجماعت کے عقائد کی حامل لڑکی کا نکاح ہو سکے گا یا نہیں؟

اگر آدمی یہ کہہ دے کہ میں اہل سنت و جماعت کے عقائد کو مانتا ہوں، پہلے والے غلط عقائد سے توبہ کرتا ہوں، پھر نکاح کا کیا حکم ہو گا؟، دوبارہ کرنا پڑے گا یا پہلا ہی کافی ہو گا؟، جو نکاح کے وقت وہاں آدمی موجود تھے ان کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ بیان فرمائیں۔

السائل: محمد اصغر، کوٹ پہلوان

الجواب منه الهداية والصواب

عوام (میں) دیوبندی، وہابی کچھ ایسے ہیں جنہیں اپنے علماء کی گستاخانہ باتیں معلوم ہیں، اور وہ ان عبارات کا مفہوم سمجھ کر کہ ان کا مفہوم کفر ہے، پھر

بھی ان علماء کو اپنا امام اور پیشوا قرار دیتے ہیں اور ان کفریات پر اعتقاد رکھتے ہیں، ایسے لوگ کافر مرتد ہیں، ان سے کسی عورت کا نکاح جائز نہیں، اگر کیا جائے تو نہ ہو گا، اور ایسا نکاح کرنے والے از روئے شرع زنا کے دبال اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوں گے۔



کچھ لوگ دیوبندیوں کی ظاہری صورت اور چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اہل سنت کا ان سے چند فروعی مسائل کا اختلاف ہے اور جب انہیں دیوبندیوں کی وہ گستاخانہ عبارتیں جو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں، سنائی جائیں تو کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی عبارت کوئی مسلمان نہیں لکھ سکتا۔

مثلا:

اللہ تعالی جھوٹا ہو سکتا ہے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا علم غیب بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو حاصل ہے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی تجویز کر لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آئے گا (یعنی ختم نبوت کا وہ معنی صحیح ہے جو کہ قادیانی مرزائی کرتے ہیں)۔[3]

1- (فتاوی رشیدیہ، کتاب العقائد، ص: 210)
2- (حفظ الایمان، جواب سوال سوم، ص: 13)
3- (تحذیر الناس، خاتم النبیین کا معنی، ص: 4)

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔[1]



یہ عبارات وہابیوں کی کتابوں ''براہین قاطعہ، حفظ الایمان اور تحذیر الناس'' میں موجود ہیں، لیکن وہابی کہتے ہیں کہ ہم ایسی کفریہ باتوں پہ اعتقاد نہیں رکھتے اور وہابی مولویوں کے متعلق ایسی عبارتیں لکھنے اور ان پر اعتقاد رکھنے والی بات کا اعتقاد نہیں کرتے، ایسے لوگ بھی بدعتی ہیں، اہل سنت کے افراد میں سے کسی عورت کا نکاح ایسے وہابی سے بھی ناجائز ہے، لیکن اگر کر دیا گیا تو نکاح ہو گیا اور اس سے طلاق لیے بغیر دوسری جگہ نکاح نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں! اگر توبہ کرے تو پہلی قسم (جنہیں اپنے علماء کی گستاخانہ باتیں معلوم ہیں اور وہ ان عبارات کا مفہوم سمجھ کر کہ ان کا مفہوم کفر ہے، پھر بھی ان علماء کو اپنا امام اور پیشوا قرار دیتے ہیں اور ان کفریات پر اعتقاد رکھتے ہیں) میں سے ہو تو دوبارہ نکاح کیا جائے اور دوسری قسم (وہ لوگ جو ان کی باتوں میں تو آ جاتے ہیں

1- (براہین قاطعہ، مسئلہ: علم غیب، ص: 55)

مگر حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہوتے اور حقیقت حال سے آگاہی پر ان کی کفریات سے توبہ کرتے ہیں) سے ہو تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کے لیے سب سے اہم و اعظم فریضہ، بلکہ ایمان، بلکہ جانِ ایمان ہے۔



اللہ تعالی کا ارشاد پاک ہے کہ:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَينَ يدَي الله وَرَسُوْلِه. [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِي وَلَا تَجْهَرُوْا له بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. [2]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

ان آیات میں مؤمنین کو بارگاہ نبوی کے آداب سکھائے گئے ہیں کہ چلنے اور بات کرنے میں بھی ادب ملحوظ رکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک

1- (سورہ: حجرات، آیت نمبر: 1)

2- (سورہ: حجرات، آیت نمبر: 2)

میں آپ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرو اور چلنے میں آپ سے آگے نہ چلو، اگر تم نے ایسے بات کی جیسے آپس میں بلند آواز سے کرتے ہو تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے جبکہ تم کو پتہ بھی نہ چلے گا (یعنی تم مرتد ہو جاؤ گے کیونکہ اعمال کا ایسا ضیاع کفر کے بغیر نہیں ہوتا)۔



اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا. (1)

ترجمہ: اے حبیب مکرم! ہم نے آپ کو حاضر و ناظر رسول، ڈر سنانے والا، خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا تاکہ تم اے مومنو! اللہ تعالی پر ایمان لاؤ اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم و توقیر بھی کرو۔

منافقوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر اعتراض کیا تو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

قُل لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ. (2)

1- (سورہ: فتح، آیت نمبر: 8-9)
2- (سورہ: توبہ، آیت نمبر: 94)

ترجمہ: اے حبیب! فرمادو کہ تم عذر بہانے نہ بناؤ، ہم تمہاری باتیں نہیں مانیں گے، ہمیں اللہ تعالی نے تمہاری خبریں دے دی ہیں اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے۔

اور برے لوگوں کے ساتھ میل جول کے متعلق فرمایا:



وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَي الَّذِينَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.[1]

ترجمہ: ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ دوزخ کی آگ کا عذاب پاؤ گے۔

نیز فرمایا:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ.[2]

ترجمہ: یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَهْلُ الْبِدَعِ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ .[3]

بدعتی تمام مخلوق سے برے ہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ:

1- (سورہ: ھود، آیت نمبر: 113)
2- (سورہ: انعام، آیت نمبر: 68)
3- (معجم اوسط، باب العین، من اسمہ علی، ج: 4، ص: 196، حدیث نمبر: 3958)

وَلَا يجُوْزُ أَنْ يتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا كَافِرَةً وَلَا مُرْتَدَّةً [1]

مرتد کسی مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا نہ مسلمہ سے، نہ کافرہ اور نہ ہی مرتدہ سے۔

فتاوی بزازیہ میں ہے کہ:

مَنْ اسْتَحَلَّ الْحَرَامَ الْقَطْعِي فَهُوَ كَافِرٌ. [2]



وہ جو یقینی حرام کو جائز جانے وہ کافر ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّي يؤْمِنُوْا. [3]

ترجمہ: اور مشرکین کے نکاح میں نہ دو (اپنی مسلمان عورتیں) جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (کتاب النکاح، باب: نکاح اہل الشرک، ج: 2، ص: 365)

2- (ردالمحتار، تقدیم المؤلف حول البسملہ، ج: 1، ص: 38)

3- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 221)

الاستفتاء

غلط عقائد کے حامل سے نکاح کرنا کیسا ہے؟



☆: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیوبندی، وہابی، غیر مقلدین جن کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی علم غیب نہیں ہے اور نہ ہی حاضر و ناظر ہیں، جو اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی ان باتوں کے قائل ہیں وہ مشرک ہیں، اور گیارہویں وعرس کو حلال جاننے والے مشرک ہیں، تقویۃ الایمان سے حوالہ پیش کرتے ہیں، کیا ایسے دیوبندی، غیر مقلد، تبرائی شیعہ اور مرزائی کے ساتھ اہل سنت وجماعت صحیح العقیدہ بریلوی لڑکی یا لڑکے کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اور گواہوں کی موجودگی میں دیوبندی عقیدہ کے کچھ اشخاص نے یہ بھی بیان دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حاضر و ناظر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے والے بریلوی مشرک ہیں اور ایسے بریلوی سنی سے ہاتھ ملانے سے ہاتھ پلید ہو جاتا ہے، کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے سے سنی لڑکی یا لڑکے کا نکاح جائز ہے؟

قرآن وسنت سے جواب دیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوں۔

☆: وہابی، غیر مقلدین، دیوبندی اور تبرائی شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، ان حضرات کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں، اور ان کے ساتھ قربانی کے جانور میں حصہ ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

قرآن وسنت سے جواب دیں؟

السائل: محمد حسین جلالی، کوٹ پہلوان



الجواب منه الهداية والصواب

☆: بدمذہبوں میں کچھ ایسے ہیں کہ ان کی بدعات انہیں کافر و مرتد بناتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ باوجود گمراہ ہونے اور چاہ ضلالت میں گرنے کے حد کفر و ارتداد تک نہیں پہنچتے، بہر حال ان سے اپنا یا اپنی اولاد کا ازدواجی تعلق بنانا ناجائز ہے، مرتد سے نکاح کیا جائے تب بھی نہ ہو گا اور غیر مرتد سے نکاح کرنے سے نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ کام ناجائز اور گناہ ہے اور ایسا نکاح کرنے والے سب گنہگار ہوں گے، ان پر توبہ کرنا لازم ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ. (1)

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 221)

ترجمہ: اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو۔



دوسرے مقام پہ فرمایا:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ.[1]

ترجمہ: ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ دوزخ کی آگ کا عذاب پاؤ گے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں، پھر مدد نہ پاؤ گے۔

اور حدیث پاک میں بد مذہبوں کو تمام مخلوق سے برا قرار دیا گیا اور ان سے دور رہنے کا حکم فرمایا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَهْلُ الْبِدَعِ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ .[2]

1- (سورہ: ھود، آیت نمبر: 113)
2- (معجم اوسط، باب العین، من اسمہ علی، ج: 4، ص: 196، حدیث نمبر: 3958)

بدعتی تمام مخلوق سے برے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَكُوْنُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَاكُمْ وَإِيَاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ.[1]



آخری زمانہ میں ایسے دجال کذاب ظاہر ہوں گے جو ایسی احادیث بیان کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے، تو ایسے لوگوں سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے دور رکھو تاکہ تمہیں گمراہ کریں نہ ہی منہ میں ڈالیں۔

یعنی خود کو اہل بدعت سے اور ان کو اپنے سے دور رکھو تاکہ تمہیں گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈالیں اور ان کے ساتھ ایسا تعلق بنانے سے ایسا مضبوط تعلق بنے گا کہ ہر جگہ اور ہر وقت کا ساتھ ہو گا، اس سے ان شرعی احکام کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس بدمذہب کی گمراہی کا اثر خود قبول کرے گا یا کم از کم وہ اولاد جو اس کے زیر سایہ پرورش پائے گی وہ تو ضرور اس کا اثر قبول کرے گی، جبکہ قرآن مجید نے ہمیں ہلاکت میں گرنے سے منع فرمایا ہے:

1۔ (صحیح مسلم، المقدمہ، باب: النہی عن الروایہ عن الضعفاء، ج:1، ص:9، حدیث نمبر:16)

وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيكُمْ إِلَي التَّهْلُكَةِ .[1]

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

البتہ جو آدمی صریح حکم قرآن کا انکار کرے اور اُن بدمذہبوں کے ساتھ نکاح کو جائز اعتقاد کرے جو حد ارتداد کو پہنچ چکے ہیں تو وہ کافر ہو گا، اس پر تجدید اسلام لازم ہے، اگر عورت کو رکھنا چاہے تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔



فتاوی بزازیہ میں ہے کہ:

مَنْ اسْتَحَلَّ الْحَرَامَ الْقَطْعِي فَهُوَ كَافِرٌ .[2]

جو یقینی حرام کو جائز جانے وہ کافر ہے۔

اور کافر سے نکاح کی حرمت بحکم قرآن مجید قطعی ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَلَا يجُوْزُ أَنْ يتزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا كَافِرَةً وَلَا مُرْتَدَّةً.[3]

مرتد کسی مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا نہ مسلمہ سے، نہ کافرہ اور نہ ہی مرتدہ سے۔

☆: اور اسی طرح جو بد مذہب کافر ہو تو اسے ایسا جان کر اس کی نماز جنازہ پڑھنا، ثواب تصور کرنا اور جائز سمجھنا بھی کفر ہے، ایسے آدمی پر بھی تجدید اسلام

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 195)
2- (ردالمحتار، تقدیم المؤلف حول البسملہ، ج: 1، ص: 38)
3- (کتاب النکاح، باب: نکاح اہل الشرک، ج: 2، ص: 365)

و تجدید نکاح لازم ہے، اگر اس کی بدمذہبی معلوم نہ ہو یا اس حد تک نہ ہو تو بہتر ہے کہ معظم افراد اس کا جنازہ نہ پڑھیں، اگر پڑھ لیں توان پر کوئی الزام نہیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی أَحَدٍ منهمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِه .[1]



ترجمہ: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



نکاح باطل وفاسد اور فسخ نکاح کی تعریفات اور ان کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح باطل، نکاح فاسد اور فسخ نکاح سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک کی تعریف بیان فرمائیں؟

1- (سورہ: توبہ، آیت نمبر: 84)

الجواب منه الهداية والصواب

نکاح فاسد کی تعریف:

وَهُوَ الَّذِي فَقَدَ شَرْطًا مِنْ شَرَائِطِ الصَّحَّةِ كَشُهُوْدٍ. [1]

نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے جیسے گواہوں کے بغیر نکاح کیا جائے۔



نکاح باطل کی تعریف:

وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْبَاطِلِ مَا وُجُوْدُه كَعَدَمِه. [2]

نکاح باطل وہ ہے جو کالعدم ہو اور اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہو۔

نیز شامی میں فرمایا:

أَنَّ كُلَّ نِكَاحٍ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيْ جَوَازِه كَالنِّكَاحِ بِلَا شُهُوْدٍ فَالدُّخُوْلُ فِيْهِ مُوْجِبٌ لِلْعِدَّةِ. أَمَّا نِكَاحُ مَنْكُوْحَةِ الْغَيْرِ وَمُعْتَدَّتِه فَالدُّخُوْلُ فِيْهِ لَا يُوْجِبُ الْعِدَّةَ اِنْ عُلِمَ أَنَّهَا لِلْغَيْرِ لِأَنَّه لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ بِجَوَازِه فَلَمْ يَنْعَقِدْ أَصْلًا. [3]

بے شک ہر وہ نکاح جس کے منعقد ہونے میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہو جیسے گواہوں کے بغیر نکاح (امام مالک کے نزدیک منعقد اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کے

1- (ردالمحتار، کتاب النکاح، ج:4، ص:266)

2- (ردالمحتار، کتاب النکاح، ج:4، ص:266)

3- (ردالمحتار، کتاب النکاح، ج:4، ص:266)

نزدیک غیر منعقد ہے) ایسے نکاح کے بعد زوجین کے درمیان مباشرت پائی گئی تو عدت لازم ہے، لیکن غیر کی منکوحہ سے یا معتدہ سے نکاح کیا گیا، نکاح کے بعد زوجین کے درمیان مباشرت پائی گئی تو عدت واجب نہیں ہو گی اگر معلوم ہو گیا کہ وہ غیر کی (منکوحہ یا معتدہ) ہے، اس لیے کہ کسی ایک نے بھی اس کے جواز کا قول نہیں کیا پس یہ نکاح اصلا منعقد ہی نہیں ہو گا۔



تو پہلی صورت کو نکاح فاسد اور دوسری کو نکاح باطل کہیں گے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نکاح فاسد میں احکام ثابت ہوتے ہیں اور باطل میں نہیں۔

جبکہ فتح القدیر میں ہے کہ:

وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا فِي النِّكَاحِ بِخِلَافِ الْبَيعِ. (1)

فاسد و باطل نکاح کے متعلق احکام ثابت کرنے میں کوئی فرق نہیں اور بیع کا معاملہ نکاح سے مختلف ہے (کہ بیع باطل میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا جبکہ بیع فاسد میں مشتری قبضہ کرے تو احکام ثابت ہوتے ہیں)۔

علامہ شامی نے فرمایا کہ:

أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا فِيْ غَيرِ الْعِدَّةِ. (2)

1- (فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل: فی بیان المحرمات، ص: 430)

2- (رد المحتار، کتاب النکاح، ج: 4، ص: 266)

نکاح فاسد و باطل میں صرف حکم عدت میں اختلاف ہے، باقی احکام میں سے کوئی حکم نکاح فاسد سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

فسخ نکاح:

فسخ نکاح کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کو توڑنا۔

یہ کوئی علیحدہ قسم نہیں کہ جس کی تعریف کی جائے۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



والد کی مزنیہ سے نکاح ابدی حرام ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ منظور کا نکاح مسماۃ ہندہ سے ہوا اور منظور کا والد ہندہ سے زنا کرتا رہا، کیا ہندہ کو منظور اپنی بیوی بنا سکتا ہے کہ نہیں؟

السائل: مولوی محمد عطاء اللہ سیالوی، نصیر پور کلاں

الجواب منه الهداية والصواب

اگر منظور کے والد نے منظور کی بیوی ہندہ کو بحالت شہوت صرف مس کر لیا یا عورت نے بحالت شہوت منظور کے والد کو مس کر لیا تو بھی وہ عورت منظور کے لیے حرام ہو گئی، اس سے منظور کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کر لیا تو محض باطل ہے۔



البحر الرائق میں ہے کہ:

فَلَوْ مَسَّتِ الْمَرْأَةُ عُضْوًا مِنْ أَعْضَاءِ الرَّجُلِ بِشَهْوَةٍ أَوْ نَظَرَتْ إِلي ذَكَرِه بِشَهْوَةٍ تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ. [1]

اگر عورت نے مرد کے اعضاء میں سے کسی عضو کو شہوت کے ساتھ مس کیا یا عورت نے شہوت کے ساتھ مرد کے ذکر کو دیکھا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اور البحر الرائق میں ہی ہے کہ:

وَأَرَادَ بِحُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ الْحُرُمَاتِ الْأَرْبَعَ: حُرْمَةَ الْمَرْأَةِ عَلي أُصُولِ الزَّانِي وَفُرُوْعِه نَسَباً وَرِضَاعًا وَحُرْمَةَ أُصُوْلِهَا وَفُرُوْعِهَا عَلي الزَّانِيْ نَسَباً وَرِضَاعًا. [2]

1- (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات فی النکاح، ج: 8، ص: 47)

2- (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات فی النکاح، ج: 8، ص: 47)

حرمت مصاہرت سے چار حرمتیں لازم آتی ہیں:

☆---: مرد کے باپ، دادا وغیرہ تمام کے لیے وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو گی۔

☆---: مرد کے بیٹے، پوتے، نواسے وغیرہ کے لیے حرام ابدی ہو گی۔



☆---: عورت کے تمام مؤنث اصولی ماں، نانی، دادی وغیرہ اس مرد پر حرام ابدی ہو گئیں۔

☆---: عورت کے تمام مؤنث فروع بیٹی، پوتی، نواسی وغیرہ اس مرد کے لیے حرام ابدی ہو گئیں۔

لہٰذا اس عورت کا ناجائز تعلق منظور کے والد سے تھا اس سے منظور کا نکاح نہیں ہو سکتا، وہ اس کے لیے حرام ابدی ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

سوتیلی ساس سے نکاح ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی، شادی کے بعد اس کی والدہ فوت ہو جاتی ہے، لڑکی کا والد دوسری شادی کر لیتا ہے، لڑکی کا والد بھی فوت ہو جاتا ہے، لڑکی اگر چاہے تو اپنے خاوند کی دوسری شادی اپنی سوتیلی ماں سے کرا سکتی ہے یا نہیں؟



السائل: محمد ریاض

الجواب منه الهداية والصواب

کوئی مرد اپنے سسر کی بیوہ سے جو اس کی حقیقی ساس نہ ہو، شادی کر سکتا ہے، جب کہ کوئی اور وجہ نکاح کے عدم جواز کی نہ ہو، ' صرف سسر کی بیوی بننا' داماد کے اس عورت کے ساتھ نکاح میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ وہ عورت اس داماد کی زوجہ کی حقیقی ماں نہیں، اگرچہ کہنے کو 'سوتیلی ماں' کہی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

اِنْ أُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا الّٰئِي وَلَدْنَهُمْ. [1]

1- (سورہ: المجادلہ، آیت نمبر: 2)

ان کی مائیں تو وہی ہیں جس سے وہ پیدا ہوئے۔

نیز محرمات کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

فقط



ھذا ما عندي واللہ تعالی أعلم

وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ محمد وآلہ وأصحابہ وسلم



فون پر نکاح کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد سعودی عرب میں ہے اور عورت پاکستان میں، فریقین کا نکاح فون پر کیا گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں نکاح شرعا درست ہے یا نہیں؟

السائل: غلام رسول، چک نمبر: 38

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

الجواب منه الهداية والصواب

نکاح کی صحت کے لیے کئی شرطیں ہیں، جب وہ پوری ہو جاتی ہیں تو نکاح صحیح قرار دیا جاتا ہے اور جب کوئی شرط نہ پائی جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ صورت مسؤلہ میں بھی کئی شرطیں نہیں پائی گئی ہیں لہذا نکاح منعقد نہ ہوا۔



بحر الرائق میں ہے کہ:

فَمِنْهَا إِتِّحَادُ الْمَجْلِسِ إِذَا كَانَ الشَّخْصَانِ حَاضِرَيْنِ فَلَوْ اخْتَلَفَ الْمَجْلِسُ لَمْ يَنْعَقِدْ.

اس (صحت نکاح کی شرائط) میں سے ایک شرط اتحاد مجلس ہے جب کہ دونوں (مرد و عورت یا وکیل) حاضر ہوں، پس اگر اختلاف مجلس ہوا تو نکاح منعقد نہ ہو گا۔

اسی میں ہے کہ:

لِأَنَّهُ لَا يَنْعَقِدُ بِالْكِتَابَةِ مِنَ الْحَاضِرَيْنِ فَلَوْ كَتَبَ تَزَوَّجْتُكَ فَكَتَبَتْ قَبِلْتُ لَمْ يَنْعَقِدْ وَأَمَّا مِنَ الْغَائِبِ فَكَالْخِطَابِ وَكَذَا الرَّسُوْلُ فَيُشْتَرَطُ سِمَاعُ الشُّهُوْدِ قِرَاءَةَ الْكِتَابِ وَكَلَامَ الرَّسُوْلِ وَفِي الْمُحِيطِ الْفَرْقُ بَيْنَ الْكِتَابِ وَالْخِطَابِ أَنَّ فِي الْخِطَابِ لَوْ قَالَ: قَبِلْتُ فِي مَجْلِسٍ آخَرَ لَمْ يَجُزْ وَفِي الْكِتَابِ يَجُوْزُ. [1]

1- (البحر الرائق، کتاب النکاح، ج: 7، ص: 474)

اس لیے کہ نکاح دونوں (مرد و عورت) کی موجودگی میں کتابت کے ذریعے منعقد نہیں ہوتا پس اگر مرد نے لکھا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا تو عورت نے (جواباً) لکھا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔

اور لیکن غائب (کی تحریر) خطاب کی طرح ہے اور یہی حکم ہے قاصد کا، پس ان دونوں صورتوں (غائب کی تحریر اور قاصد) میں نکاح کے گواہوں کا خط کی قرات اور قاصد کے کلام کا سننا شرط ہے۔



اور محیط میں ہے کہ کتاب اور خطاب میں فرق ہے، (وجہ فرق یوں بیان کی کہ) خطاب میں اگر کہا کہ میں دوسری مجلس میں قبول کروں گا تو یہ جائز نہیں اور کتاب میں جائز ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جب دونوں اکھٹے ایک جگہ ہوں تو نکاح الفاظ سے ہو گا، تحریر سے نہ ہو گا۔

اگر ایک دوسرے سے جدا ہوں تو ایک طرف سے تحریر ہو یا قاصد کا پیغام ہو اور وہ جب دوسرے تک پہنچے تو اس مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں دوسرا قبول کرے، اس صورت میں الفاظ سے نکاح نہ ہو گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ:

سِمَاعُ الشَّاهِدِينَ كَلَامَهُمَا مَعًا. [1]

(نکاح صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) گواہوں کا دونوں کے کلام (ایجاب و قبول) کو بیک وقت سننا۔

نکاح کے درست ہونے کے لیے شرط ہے کہ ایجاب و قبول کرنے والے ایک دوسرے کی بات کو سنتے ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ جب ایک ایجاب کرے اور دوسرا قبول تو دونوں گواہ بیک وقت ان کو سنیں۔

لہٰذا جب بولنے والا کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا تو جس سے نکاح ہو رہا ہے، وہ اور گواہ سب یہ لفظ سنیں اور اسی طرح جب جواباً یہ کہا جائے کہ میں نے قبول کیا تو بھی سب یہ سنیں۔

اور فون پر یہ شرط عموماً پوری نہیں ہو سکتی، لہٰذا یہ نکاح صحیح نہ ہوا، محض باطل ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (فتاوی عالمگیریہ، کتاب النکاح، الباب الاول: فی تفسیر النکاح، ج:6، ص:419)

الاستفتاء

متعہ کے متعلق تفصیلی فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلے اسلام میں متعہ جائز تھا اور بعد میں منع ہو گیا، قرآن و حدیث سے بیان کریں؟

الجواب منه الهداية والصواب



سفر اور جنگوں میں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں اور بیوی، بچوں سے دور ہوتے، تو ان علاقوں کی وجہ سے بعض صحابہ صحت مند اور طاقت ور ہونے کی بناء پر اور بعض دیگر حوائج کے پیش نظر بیوی کی سخت ضرورت محسوس کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی، پھر منع فرما دیا۔

احادیث مبارکہ میں عمرہ قضاء، فتح خیبر، عام اوطاس اور فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی ممانعت کا ذکر ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلي أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيرُ مَلُوْمِينَ۔ فَمَنِ ابْتَغي وَرَآءَ ذَلِكَ فَأُولئِكَ هُمُ الْعادُوْنَ .[1]

1- (سورہ: المؤمنون، آیات نمبر: 5-6-7)

ترجمہ: اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ اُن پر کوئی ملامت نہیں۔ تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔



حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی اجازت دی، میں اور میرے ساتھ ایک آدمی ہم قبیلہ بنی عامر کی عورت کی جانب گئے، وہ ایک خوبصورت جوان عورت تھی، ہم نے اس پر اپنا آپ پیش کیا، تو اس نے کہا کہ آپ کیا دو گے؟ میں نے کہا کہ میں چادر دوں گا، اور میرے ساتھ جو آدمی تھا اس نے بھی کہا کہ میں چادر دوں گا، اور میرے ساتھ والے آدمی کی چادر میری چادر سے زیادہ اچھی تھی لیکن میں اس سے زیادہ جوان تھا، جب اس عورت نے میرے ساتھی کی چادر کو دیکھا تو وہ اسے پسند آئی، اور جب اس نے مجھے دیکھا تو میں اسے پسند آیا، پھر اس نے کہا کہ تو اور تیری چادر میرے لیے کافی ہے۔ پھر میں اس عورت کے ساتھ تین دن رہا، یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ كَانَ عِنْدَه شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ النِّسَاءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا .[1]

1- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: نکاح المتعہ، ج: 4، ص: 131، حدیث نمبر: 3485)

جس کے پاس کوئی ایسی عورت ہے کہ جس کے ساتھ متعہ کیا گیا تو اسے چاہیے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

رَخَّصَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وسلم عَامَ أَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثاً ثُمَّ نَهَي عَنْهَا. (1)



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اوطاس میں تین دن تک متعہ کی اجازت عطا فرمائی پھر متعہ سے منع فرما دیا۔

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَأَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ وَاَنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ ذَالِكَ اِلَي يوْمِ الْقِيامَةِ . (2)

اے لوگو! بے شک میں تمہیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دیتا رہا ہوں اور (اب) بے شک اللہ تعالی نے اس (متعہ) کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔

حضرت خالد بن مہاجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک صحابی کے پاس بیٹھے تھے کہ اسی دوران ایک آدمی آیا اور اس نے متعہ کے بارے میں سوال کیا، تو

1- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: نکاح المتعہ، ج: 4، ص: 131، حدیث نمبر: 3484)
2- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: نکاح المتعہ، ج: 4، ص: 132، حدیث نمبر: 3488)

اس صحابی نے جواب میں جائز کہا، تو حضرت ابن ابی عمرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: رکو، ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابن ابی عمرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّهَا كَانَتْ رُخْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِمَنِ اضْطُرَّ إِلَيْهَا كَالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ ثُمَّ أَحْكَمَ اللّٰهُ الدِّينَ وَنَهَى عَنْهَا .[1]



بے شک اسلام کی ابتداء میں مجبور کے لیے متعہ کی اجازت تھی، جیسا کہ مجبور کے لیے مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی اجازت ہے، پھر اللہ تعالی نے دین کو مستحکم فرمایا اور اس کام سے منع فرما دیا۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادوں حضرت عبد اللہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ، اور یہ دونوں صاحبزادے اپنے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

1- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: نکاح المتعہ، ج: 4، ص: 133، حدیث نمبر: 3495)

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَي عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ أَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأُنْسِيَّةِ .[1]

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے سے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



مغویہ کے نکاح کے بعد دوسرے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو غیر کفو مرد نے اغواء کیا، اغواء واپس ہو گیا، لوگوں کی تصدیق پر مولوی غلام محمد نے اس اغواء شدہ عورت کا نکاح دوسری جگہ پڑھا دیا۔

1- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: نکاح المتعہ، ج: 4، ص: 134، حدیث نمبر: 3497)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مذکور امام مسجد پر عندالشرع کیا حکم ہے؟ نماز وغیرہ پڑھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

نوٹ: اس مذکورہ نکاح پڑھنے کے بعد پتہ چل گیا کہ اغواء شدہ عورت کا نکاح انہوں نے پڑھا لیا ہے یعنی عورت نے جج کے سامنے بیان دیئے ہیں، اس وقت وہ عورت منکر تھی اور تین آدمیوں نے امام صاحب کے نکاح نہ پڑھانے کا بھی بیان دیا ہے؟



السائل: اہلیان چوٹ دھیراں

الجواب منه الهداية والصواب

جب تک نکاح کا کوئی ثبوت نہیں تھا اس وقت تک عورت کا انکار اور نکاح نہ ہونے کا بیان معتبر تھا، نیز اس بیان میں انہیں جھوٹا جاننا انہیں گناہ کا مرتکب قرار دینا ہے اور بغیر ثبوت کے ان کے ذمہ گناہ نہیں لگایا جا سکتا، لہٰذا امام صاحب نے اعتبار کر کے دوسری جگہ نکاح کیا تو ان پر کوئی الزام نہیں، جب (پہلے) نکاح کا پتہ چل گیا تو دوسرا نکاح محض باطل تصور کیا جائے گا اور ان مرد و عورت کو علیحدہ کیا جائے گا اور پہلے جو کچھ کیا وہ حرام کاری تھی، اس پر استغفار کریں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

حلالہ کرنے والے مرد و عورت کی اولاد کا آپس میں نکاح کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح حلالہ کیا اور بعد میں اس کو طلاق دے دی۔



اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ مرد و عورت کی اولاد کا رشتہ آپس میں کرنا شرعاً کیسا ہے؟

السائل: حاجی عنایت اللہ، بھکھی شریف

الجواب منه الهداية والصواب

جائز ہے اگر اور کوئی رکاوٹ نہ ہو، صرف مرد کا عورت سے کسی وقت بھی نکاح ہونا اس کی دوسرے خاوند کی بیوی سے اولاد کے ساتھ نکاح میں رکاوٹ نہیں، بلکہ ایک مرد اور ایک عورت آپس میں نکاح کریں جبکہ مرد کا دوسری سے لڑکا اور عورت کی دوسرے سے لڑکی ہو تو لڑکے لڑکی کا نکاح کرنا اس حالت میں بھی جائز ہے۔ فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

خنثیٰ مشکل کے ساتھ نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زرتارا دختر خانتمہ، قبیلہ پٹھان کا نکاح مسمّٰی عیسیٰ خان ولد شاہ جہاں کے ساتھ ہوا، بعد ازاں معلوم ہوا کہ مذکورہ عورت کے اندر تو عورت والی خصوصیات پائی ہی نہیں جاتی، تو ڈاکٹری کروائی گئی، ماہر ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق مذکورہ عورت میں مندرجہ ذیل تین نقائص پائے جاتے ہیں:

☆: شرمگاہ کا سوراخ بالکل نہ ہونے کے برابر ہے، مرد کی صحبت ہو ہی نہیں سکتی۔

☆: رحم بالکل سرے سے ہے ہی نہیں۔

☆: ماہواری بالکل آتی ہی نہیں۔

لہٰذا اب براہ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں حکم صادر فرمائیں۔

السائل: شاہ جہاں، سرائے عالمگیر

الجواب منه الهداية والصواب

جس میں مرد و عورت دونوں کی علامات پائی جائیں اسے خنثی کہتے ہیں، خنثی حقیقت میں مرد ہوتا ہے یا عورت، اگر علامات سے اس کا مرد ہونا راجح ہو تو اس کو شریعت میں مرد قرار دیا جائے گا اور مردوں کے احکام اس پہ جاری ہوں گے، اگر عورت ہونے کی جہت راجح ہو تو وہ خنثی شریعت میں عورت شمار ہو گی۔



اگر اس میں علامات واضح نہ ہوں یا دونوں قسم کی علامتیں ایسی ہوں کہ اس کا مرد یا عورت ہونا از روئے تحقیق راجح نہ ہو تو وہ خنثی مشکل ہوتا ہے اور اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ جس صورت میں زیادہ احتیاط بنتی ہو وہ حکم اس پر جاری کیا جائے گا۔

ہدایہ میں ہے کہ:

(وَلَوْ ظَهَرَ لَه ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَه لَبَنٌ فِيْ ثَدْيِه أَوْ حَاضَ أَوْ حَبَلَ أَوْ أَمْكَنَ الْوُصُوْلُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ اِمْرَأَةٌ) لِأَنَّ هٰذِه مِنْ عَلَامَاتِ النِّسَاءِ وَاِنْ لَمْ يظْهَرْ اِحْدَي هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثَي مُشْكَلٌ.[1]

(اور اگر اس کے پستان ظاہر ہوں عورت کے پستانوں کی طرح، یا اس کے پستانوں میں دودھ اتر آئے، یا اس کو حیض ہو، یا وہ حاملہ ہو جائے، یا فرج کے

1- (ہدایہ، کتاب الخنثی، فصل: فی بیان الخنثی، ج: 4، ص: 677)

ذریعے اس سے ہمبستری ممکن ہو تو وہ عورت ہی ہے) اس لیے کہ یہ عورتوں کی علامات ہیں اور اگر ان علامات میں سے کوئی ایک علامت بھی ظاہر نہ ہو تو وہ خنثی مشکل ہے۔

بحر الرائق میں ہے کہ:



(وَإِنْ ظَهَرَ لَه ثَدْي أَوْ لَبَنٌ أَوْ أَمْكَنَ وَطْؤُه فَامْرَأَةٌ) لِأَنَّ هَذِه مِن عَلَامَاتِ النِّسَاءِ، قَالَ رَحِمَهُ اللهُ: (وَإِنْ لَمْ تَظْهَرْ لَه عَلَامَةٌ أَوْ تَعَارَضَتْ فَمُشْكَلٌ) [1]

(اور اگر اس کے پستان ظاہر ہوں، یا ان پستانوں میں دودھ اتر آئے، یا اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو وہ عورت ہے) اس لیے کہ یہ چیزیں عورت کی علامات میں سے ہیں، مصنف (حافظ نسفی) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: (اور اگر اس کی علامت ظاہر نہ ہو یا اس کی علامات میں تعارض ہو تو وہ خنثی مشکل ہے)۔

ہدایہ میں ہے کہ:

اَلْأَصْلُ فِي الْخُنْثَى الْمُشْكَلِ أَنْ يؤْخَذَ فِيْهِ بِالْأَحْوَطِ وَالْأَوْثَقِ فِي أُمُوْرِ الدِّينِ، وَأَنْ لَا يحْكَمَ بِثُبُوتِ حُكْمٍ وَقَعَ الشَّكُّ فِيْ ثُبُوْتِه. [2]

1- (البحر الرائق، کتاب الخنثی، ج: 24، ص: 408)
2- (ہدایہ، کتاب الخنثی، ج: 4، ص: 477)

خنثی مشکل کے معاملہ میں اصل یہ ہے کہ دین کے معاملات میں جس صورت میں زیادہ احتیاط اور توثیق ہو وہ صورت جاری کی جائے گی، اور ایسے حکم کے ثبوت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ جس کے ثبوت میں شک ہو۔

تو اس صورت میں جب زرتارا میں علامات نسوانی مفقود ہیں اور علامت وصولیت (مرد کی علامات) بھی واضح نہیں ہیں تو اسے خنثی مشکل کے حکم میں سمجھیں گے اور احوط پہ عمل کریں گے، شک سے کچھ ثابت نہ کریں گے، اگر اسے مرد تصور کیا جائے تو کسی مرد سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر عورت تصور کیا جائے تو نکاح صحیح ہے۔



اس لیے شک سے نکاح ثابت نہیں کریں گے اور علیحدگی کے لیے طلاق بھی دینا ہو گی کیونکہ اگر عورت تصور کریں تو نکاح صحیح بنتا ہے اور علیحدگی بغیر طلاق صحیح نہیں ہوتی، لہٰذا علیحدگی بھی شک کے ساتھ ثابت نہ ہو گی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

عدت میں نکاح منعقد نہیں ہوتا



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا اور وہ دو سال ناراض ہو کر میکے چلی گئی، کچھ مدت بعد خاوند نے اسے طلاق دے دی اور اس طلاق کے بعد دوسرے دن اس نے دوسرے مرد سے شادی کر لی اور نکاح بذریعہ ٹیلی فون کیا، کیا اس کا نکاح ہوا ہے یا نہیں؟

اور جس نے ان کا نکاح پڑھایا اور جو گواہان وہاں موجود تھے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

السائل: محمد حسین ولد سردار خان، جھولانہ

الجواب منه الهداية والصواب

ٹیلی فون پر نکاح صحیح ہوتا ہے نہ عدت میں، لہٰذا ان مرد و عورت کا آپس میں میل جول اور وطی کرنا خالص حرام کاری ہے۔

قرآن کریم میں مطلقہ عورت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [1]

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 227)

ترجمہ: طلاق والی عورتیں اپنی جانوں کو تین حیض مکمل ہونے تک روکے رکھیں۔

اس صریح حکم کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے۔

اور نکاح کا ایجاب وقبول کرنے والے دونوں افراد کی مجلس متحد ہونا انعقاد نکاح کے لیے شرط ہے۔



بحر الرائق میں ہے کہ:

فَمِنْهَا اِتِّحَادُ الْمَجْلِسِ. [1]

اس (صحت نکاح کی شرائط) میں سے ایک شرط اتحاد مجلس ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (البحر الرائق، کتاب النکاح، ج:7، ص:474)

الاستفتاء

بدمذہب کے نکاح پڑھانے کا حکم کیا ہے؟

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکا اور لڑکی دونوں سنی ہیں، ان کا نکاح پڑھانے والا وہابی ہے، کیا نکاح ہوا یا نہیں؟



الجواب منه الهداية والصواب

اگر لڑکا اور لڑکی دونوں صحیح العقیدہ سنی ہیں اور مجلس میں کم از کم دو عاقل بالغ مسلمان ایسے موجود تھے جنہوں نے نکاح کا ایجاب و قبول سنااور وہ نکاح کے گواہ ہوئے، تو پھر اگرچہ نکاح خواں وہابی تھا پھر بھی نکاح ہو گیا مگر ایسی مبارک محفل میں وہابی کو داخل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیے، چہ جائیکہ اسے نکاح خوان بنا کے اعزاز بخشا جائے کیونکہ آج کل کے اکثر وہابیوں پر التزام کفر ہو چکا ہے تو وہ مرتد ہوئے اور اگر التزام کفر نہ ہو تو بھی وہ لزوم کفر سے خالی نہیں۔

فتاوی عالگیری میں ہے کہ:

وَتَجُوزُ وَكَالَةُ الْمُرْتَدِّ بِأَنْ وَكَّلَ مُسْلِمٌ مُرْتَدًّا، وَكَذَا لَوْ كَانَ مُسْلِماً وَقْتَ التَّوْكِيلِ ثُمَّ ارْتَدَّ فَهُوَ عَلَى وَكَالَتِهِ إِلَّا أَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ فَتَبْطُلُ وَكَالَتُه.[1]

1- (فتاوی عالمگیریہ، کتاب الوکالہ، باب اول: فی معنی الوکالہ، ج: 26، ص: 463)

مرتد کی وکالت جائز ہے اس طرح کہ مسلمان نے مرتد کو وکیل بنالیا، اور اسی طرح اگر وہ وکالت سونپے جانے کے وقت مسلمان تھا بعد میں مرتد ہو گیا تو وہ پھر بھی اپنی وکالت پر ہی رہے گا مگر جب وہ کافروں کے ملک چلا جائے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





عاقلہ بالغہ لڑکی کا اپنی مرضی سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر لڑکی عاقلہ بالغہ اپنی مرضی سے کسی سے نکاح کرے یعنی والدین کی مرضی کے خلاف، تو نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو پڑھانے والے کی سزا کیا ہے؟

الجواب منه الهداية والصواب

ایسی لڑکی اپنی مرضی سے جس مرد سے نکاح کرے ہو جائے گا لیکن غیر کفو میں کرے کہ جس سے لڑکی کے اولیاء عار محسوس کریں تو اولیاء کو یہ نکاح فسخ کروانے کا اختیار ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْعَاقِلَةِ الْبَالِغَةِ بِرِضَائِهَا وَإِنْ لَمْ يَعْقُدْ عَلَيْهَا وَلِي بِكْراً كَانَتْ أَوْ ثَيِّباً

اور آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی مرضی کے مطابق منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا ولی نکاح منعقد نہ کرے، برابر ہے کہ وہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ۔[1]



وَإِذَا زَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا مِنْ غَيرِ كُفْوٍ فَلِلْأَوْلِياءِ أَنْ يفَرِّقُوْا بَيْنَهُمَا

اور جب عورت نے خود غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اولیاء کو ان دونوں کے درمیان جدائی کروانے کا اختیار ہے۔[2]

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: فی الاولیاء والاکفاء، ج: 2، ص: 335)

2- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: فی الاولیاء والاکفاء، ج: 2، ص: 341)

الاستفتاء

بھائیوں کا ایک دوسرے کی مطلقہ سے نکاح اور ان کی اولاد کا آپس میں نکاح کرنا کیسا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید و عمر دونوں بھائی ہیں، زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کی اولاد نہ تھی، عمر نے نکاح کر لیا اور عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کی بھی اولاد نہ تھی، زید نے نکاح کر لیا، ابھی دونوں بھائی صاحب اولاد ہیں، اپنی اولاد کا آپس میں رشتہ کرتے ہیں، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

السائل: حافظ امیر حمزہ، ساکن: گنیاں سندا

الجواب منه الهداية والصواب

جائز ہے۔

اس صورت میں زید کی بیوی پہلے کسی وقت عمر کی زوجہ رہی اور عمر کی موجود بیوی پہلے کسی وقت میں زید کی زوجہ رہی۔

اسناد فقہیہ میں تو اس طرح بیان ہے کہ ایک عورت ایک مرد کے نکاح میں ہو تو اس وقت بھی اس مرد کے بیٹے (جو دوسری بیوی سے ہو) کے لیے اس عورت کی ماں یا بیٹی سے نکاح جائز ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

وَلَا تَحْرُمُ بِنْتُ زَوْجِ الْأُمِّ وَلَا أُمُّه وَلَا أُمُّ زَوْجَةِ الْأَبِ وَلَا بِنْتُهَا.[1]

اور ماں کے شوہر کی بیٹی حرام نہیں ہے اور نہ ہی شوہر کی ماں، اور اسی طرح باپ کی بیوی کی ماں بھی حرام نہیں اور نہ اس کی بیٹی۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



فسخ نکاح اور نکاح پر نکاح پڑھانے کا حکم

ایک شخص نے شادی کی اس کی ایک بچی اور ایک بچہ پیدا ہوا، اس کے بعد اس کی بیوی فوت ہو گئی، پھر اس شخص نے اپنی بچی جس کی عمر سات سال تھی، کا رشتہ دے کر اپنا دوسرا نکاح کر لیا، اپنی بچی کا نکاح بھی خود اس نے پڑھا، جس بچے کے ساتھ بچی کا نکاح پڑھا اس بچے کی عمر بھی چھوٹی تھی، اب وہ دونوں اپنے اپنے گھر میں ہی رہ کر جوان ہو گئے، اس شخص نے جو دوبارہ نکاح کیا تھا تو اس کی

1- (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج:9، ص:263)

دوسری بیوی بھی فوت ہو گئی، پھر اس شخص نے اپنی بچی جس کا نکاح اس نے بچپن میں پڑھایا تھا، اس کے جوان ہونے پر اسے وزیر آباد عدالت میں لے جا کر تنسیخ نکاح کا دعوی دائر کر دیا، دو تین تواریخ کے بعد عدالت نے نکاح فسخ کر دیا، اس کے بعد دس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس نے اس بچی کا دوسری جگہ نکاح کر دیا، آیا وہ نکاح درست ہے یا نہیں؟



الجواب منه الهداية والصواب

اگر یک طرفہ ڈگری کے طریقے پر تنسیخ کی گئی ہے تو وہ نکاح باقی ہے اور دوسرا نکاح جو اب کیا گیا محض باطل ہے اور جس سے نکاح کیا گیا اس کے ساتھ اس لڑکی کا رہنا نا جائز اور ازدواجی تعلق خالص زنا ہے، انہیں فوراً ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہیے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ. (1)

ترجمہ: خاوند کے قبضہ میں نکاح کی گرہ ہے۔

جب تک وہ نہ چھوڑے گا نہ چھوٹے گی۔

دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا:

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 237)

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ .[1]

ترجمہ: اور حرام ہیں شوہر والی عورتیں۔

جس عورت کا کسی جگہ نکاح ہے اس کا دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے، اگر کیا جائے تو نہ ہو گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





بالغ لڑکی کا اپنی مرضی سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی منگنی ایک لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی، جب لڑکی بالغ ہوئی تو اس نے خود بخود روبرو گواہوں کے اپنا نکاح اس لڑکے کے ساتھ کر لیا، اب اس کے وارث کہتے ہیں کہ یہ نکاح باطل ہے، اس بارے میں فتوی عنایت فرمائیں۔

السائل: سید طالب حسین، ساکن: کھائی

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

الجواب منه الهداية والصواب

جب عاقلہ بالغہ آزاد مسلمان عورت اپنی مرضی سے نکاح کرے تو وہ نافذ ودرست ہے، اگر غیر کفو میں ہو تو اولیاء کو تنسیخ کا اختیار ہے۔

در مختار میں ہے کہ:



(فَنَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا رِضَا وَلِيٍّ) (1)

آزاد مکلّف عورت کا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے۔

اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الأَيِمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا . (2)

بالغہ عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے نفس کی حقدار ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ج: 9، ص: 342)

2- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: استئذان الثیب، ج: 4، ص: 141، حدیث نمبر: 3541)



سالی کی بیٹی سے نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا پھوپھی زاد بھائی جس کا نام محمد شریف ہے، زید کی بیوی اور محمد شریف کی بیوی دونوں سگی بہنیں ہیں، محمد شریف کی کوئی اولاد نہیں، زید کی اولاد ہے، کیا زید اپنی بیٹی کا نکاح محمد شریف سے کر سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی محمد شریف اپنی سالی کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید کی بیوی محمد شریف کی سالی ہے۔

السائل: محمد امیر حمزہ، ساکن: گنیاں

الجواب منہ الهداية والصواب

جب تک زید کی سالی محمد شریف کے نکاح میں موجود ہے یا اس کی دی ہوئی طلاق کی عدت میں ہے تو زید کی بیٹی کا نکاح محمد شریف سے نہیں ہو سکتا، اگر زید کی سالی فوت ہو چکی ہے یا طلاق کے بعد عدت پوری کر چکی ہے تو محمد شریف کا نکاح زید کی بیٹی سے جائز اور درست ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ .[1]

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:



لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَي عَمَّتِهَا وَلَا عَلَي خَالَتِهَا.[2]

عورت کا نکاح اس کی چچی اور خالہ پہ نہ کیا جائے۔

اور ہدایہ میں ہے کہ:

وَلَا يجْمَعُ بينَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا.[3]

عورت اور اس کی چچی کو یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر:24)
2- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: تحریم الجمع بین المراۃ وعمتہا، ج: 4، ص: 135، حدیث نمبر:3506)
3- (ہدایہ، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج:2، ص:328)

الاستفتاء

بالغہ عورت کا نکاح سے انکار اور شرعی حیثیت



کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر 20 سال ہے، خود مختار ہے، جب کہ بڑا بھائی اپنی طرف سے اختیار دیتا ہے کہ اس کا نکاح پڑھیں، تو بچی عاقلہ بالغہ ہے انکار کرتی ہے، جھری اعلانیہ کہتی ہے کہ نکاح نہ پڑھایا جائے، تو کیا ایسی صورت میں نکاح ہو گا یا کہ نہیں؟، اور ایسے میں شادی ہو جائے تو زنا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: غلام محمد، ساکن: ملکوال

الجواب منه الهداية والصواب

صورت مسؤلہ میں نکاح نہیں ہے۔

اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الأَيمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا .[1]

1۔ (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: استیذان الثیب، ج:4، ص:141، حدیث نمبر:3541)

بالغہ عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے نفس کی حقدار ہے۔

لہٰذا جب وہ خود مختار ہے تو اس کی بات کا اعتبار ہو گا نہ اس کی ولی کی بات کا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

وَالْأَيِمُ مَنْ لَا زَوْجَ لَهَا بِكْراً أَوْ لَا فَإِنَّه لَيسَ لِلْوَلِي إِلَّا مُبَاشَرَةُ الْعَقْدِ إِذَا رَضِيتْ وَقَدْ جَعَلَهَا أَحَقَّ مِنْهُ بِه. (1)



اور ''ایم'' وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو چاہے وہ باکرہ ہے یا نہیں، اس کے ولی کو اس کے عقد کا حق حاصل ہے جب وہ راضی ہو، اور تحقیق خود اس عورت کو اپنے ولی سے زیادہ حق دار بنایا گیا ہے۔

ولی کو صرف اس صورت میں نکاح کرنے کا حق ہے جب کہ وہ بالغہ رضامند ہو، لہٰذا صورت مسؤلہ میں اس کا انکار معتبر ہے اور نکاح منعقد نہ ہوا، وہ آپس میں وطی کریں اور مرد جانتا ہو کہ یہ نکاح نہیں ہوا تو وطی زنا خالص ہے، ورنہ حرام کہیں گے، زنا نہ کہیں گے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ج: 9، ص: 346)



سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری ہمشیرہ ہے، جس کی شادی ہم نے محلہ فیض آباد میں کی تھی، ہمارے بہنوئی نے پہلے بھی شادی کی ہوئی تھی، پہلی شادی سے اس کے پانچ بیٹے تھے، جن میں سے چار بیٹے اپنی ماں کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک بچہ اپنے باپ کے ساتھ رہتا ہے، کیا اس بیٹے کی شادی باپ کی سالی سے ہو سکتی ہے یا کہ نہیں؟

السائل: محمد انور، محلہ فیض آباد، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

اگر اور کوئی رشتہ یا تعلق ایسا نہ ہو جو نکاح کے لیے مانع ہو تو دونوں ہمشیرہ میں سے ایک کا نکاح باپ سے اور دوسری کا نکاح اس کے بیٹے سے جائز ہے۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ. [1]

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

اوران کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





سیدہ اور علوی کا نکاح

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سیدزادی کا نکاح کسی غیر سید سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

السائل: محمد افضال ولد حاجی محمد اکرم، ساکن: ڈوگری ہریاں، سیالکوٹ

الجواب منه الهداية والصواب

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا، پھر آپ ہی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، پھر ان سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دیا، جیسا کہ سورہ نساء میں ہے کہ:

یأیھا النّاسُ اتّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِي خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ منها زَوْجَھَا وَبَثَّ منھمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنساء. [1]

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے۔



نیز ارشاد فرمایا کہ:

یأَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثي وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہ أَتْقَاکُمْ اِنَّ اللہ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ. [2]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ حَتّي یؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خیرٌ مِّنْ مُّشْرِکَةٍ وَّلَوْ أَعْجَبَتْکُمْ وَلَا تُنْکِحُوْا الْمُشْرِکِینَ حَتّي یؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَّلَوْ أَعْجَبَکُمْ. [3]

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر:1)
2- (سورہ: حجرات، آیت نمبر:13)
3- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر:221)

ترجمہ: اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو۔



ان آیات سے پتہ چلا کہ انسانوں کی اصل ایک ہے اور اللہ تعالی کے نزدیک فضیلت و بزرگی کا معیار ایمان و تقوی ہے، وہ جس میں ہو وہی افضل ہے، اس اعتبار سے سید و غیر سید میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن فقہائے کرام نے نکاح کے باب میں کفو کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْكِحُوْا النِّسَاءَ اِلَّا الْأَكْفَاءُ وَلَا يزَوِّجُهُنَّ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ. (1)

عورتوں کا نکاح نہ کیا جائے مگر کفو میں، اور ان کا نکاح نہ کریں مگر ان کے اولیاء۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پہ جلوہ افروز ہوئے، تو ارشاد فرمایا:

1- (سنن الکبری للبیہقی، کتاب النکاح، باب: اعتبار الکفاءۃ، ج: 7، ص: 133، حدیث نمبر: 13538)

إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِيْ خَيرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَينِ فَجَعَلَنِي فِي خَيرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيرِهِمْ قَبِيلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتاً فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيرِهِمْ بَيتاً وَخَيرِهِمْ نَسَبًا.[1]

بے شک اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں بنایا، پھر اس گروہ کو دو فرقوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین فرقہ میں بنایا، پھر اس فرقہ کو قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلہ میں بنایا، پھر ان قبائل کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین گھر اور بہترین نسب میں بنایا۔



تو اس اعتبار سے پورا قریش ایک دوسرے کے لیے کفو ہے تو ان کا آپس میں نکاح درست ہے، جب کہ ہمارے عرف میں سید صرف وہ افراد ہیں جو حضرات حسنین کریمین کی اولاد میں سے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ فرزندان ارجمند جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نہیں وہ عرفی سادات میں شامل نہیں اور ان کی اولاد اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سلسلہ مناکحت جاری ہوا جس پر تاریخ اسلام کی شہادت کی مہر ثبت ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (جامع ترمذی، المناقب، باب: فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج: 5، ص: 584، حدیث نمبر: 3608)

الاستفتاء

شیعہ لڑکی سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مذہباً اہل سنت و جماعت ہے اور عورت شیعہ مذہب سے تعلق رکھتی ہے، ان کا آپس میں نکاح شرعا جائز ہے یا ناجائز ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

ہمارے علاقے کے شیعہ عموماً رافضی ہیں، جن کے بہت سے عقائد کفریہ ہیں، اس لیے ان کے متعلق فتاوی عالمگیری میں ہے کہ:

وَهٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ خَارِجُوْنَ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ ، وَأَحْكَامُهُمْ أَحْكَامُ الْمُرْتَدِّينَ.[1]

اور یہ تمام قوم والے ملت اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام مرتدین کے احکام کی مثل ہیں۔

اور مرتدین کا حکم یہ ہے کہ وہ نہ اپنے مذہب کے مرد و عورت سے ازدواجی تعلق قائم کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی اور مذہب کے مرد و عورت سے۔

1- (فتاوی عالمگیریہ، کتاب السیر، مطلب: فی موجبات الکفر، ج: 17، ص: 154)

ہدایہ میں ہے کہ:

(وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا كَافِرَةً وَلَا مُرْتَدَّةً) لِأَنَّه مُسْتَحَقُّ الْقَتْلِ وَالْإِمْهَالُ ضَرُوْرَةَ التَّأَمُّلِ وَالنِّكَاحُ يَشْغَلُه عَنْه فَلَا يَشْرَعُ فِي حَقِّه (وَكَذَا الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ).[1]



(اور یہ جائز نہیں کہ مرتد کسی مسلمان عورت سے نکاح کرے اور نہ ہی کسی کافرہ عورت اور مرتدہ عورت سے) اس لیے کہ وہ تو قتل کا مستحق ہے اور تامل کی ضروت کے پیش نظر مہلت دی جاتی ہے اور نکاح اس تامل سے ہٹا دیتا ہے پس اس (مرتد) کے حق میں یہ (نکاح) مشروع نہیں ہے (اور اسی طرح مرتدہ سے نہ تو کوئی مسلمان مرد نکاح کرے اور نہ ہی کوئی کافر مرد)۔

عالمگیری میں ہے کہ:

وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُرْتَدِّ أَنْ يَتَزَوَّجَ مُرْتَدَّةً وَلَا مُسْلِمَةً وَلَا كَافِرَةً أَصْلِيَةً وَكَذَالِكَ لَا يَجُوْزُ نِكَاحُ الْمُرْتَدَّةِ مَعَ أَحَدٍ.[2]

1- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: نکاح اہل الشرک، ج: 2، ص: 325)
2- (فتاوی عالمگیریہ، کتاب النکاح، القسم السابع: المحرمات بالشرک، ج: 7، ص: 6)

اور مرتد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مرتدہ عورت سے نکاح کرے، نہ کسی مسلمان عورت سے اور نہ ہی کسی کافرہ عورت سے بالکل بھی، اور اسی طرح مرتدہ عورت کا کسی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

لہٰذا یہ نکاح جائز نہیں ہے۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



مزنیہ کی بیٹی سے زانی کا نکاح کا درست ہونا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کا اگر ایک عورت سے علی الاعلان ناجائز تعلق ہو اور پورا گاؤں اس پر گواہ ہو، وہ مرد اس عورت کی بیٹی سے نکاح کرے تو اس کا نکاح شرعا درست ہے یا نہیں؟ اور نکاح کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

السائل: محمد انور ولد شیر محمد، طارق آباد منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

اگر کوئی مرد بحالت شہوت کسی عورت کو یا عورت کسی مرد کو ننگے جسم مس کرے، اگرچہ سر پر ہاتھ لگے کہ ایک جسم کی گرمی سے دوسرا لذت محسوس کرے تو عورت کے لیے مرد کے اصول و فروع اور مرد کے لیے عورت کی مؤنث اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں۔



قرآن کریم میں ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخالاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَاءِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللاتِي فِي حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَاءِكُمُ اللاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَينَ الْأُخْتَينِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيمًا.[1]

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں، اور بیٹیاں، اور بہنیں، اور پھوپھیاں، اور خالائیں، اور بھتیجیاں، اور بھانجیاں، اور تمہاری مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور دودھ کی بہنیں، اور بیویوں کی مائیں، اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیویوں

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 23)

سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو، تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں، اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنیں اکھٹی کرنا، مگر جو ہو گزرا، بے شک اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے۔

اور شرح وقایہ میں ہے کہ:

(وَ) حَرُمَ (فَرْعُ مَزْنِيَتِهِ) سَوَاءٌ كَانَ الْفَرْعُ مِنْ زِنَاهُ أَوْ مِنْ غَيْرِهِ. [1]



جس سے کسی مرد نے زنا کیا ہو، اس کی بیٹی، پوتی، نواسی وغیرہ اس کی مؤنث فروع مرد کے لیے حرام ہو جاتی ہیں، وہ اسی زانی کے نطفہ سے پیدا ہوئی یا کسی اور کے نطفہ سے، بہر حال اس زانی کے لیے حرام ہے۔

لہٰذا اگر واقعی مرد و عورت کا کسی وقت حالت شہوت میں جسم ایک دوسرے سے مس ہوا یا زنا و بدکاری ہوئی تو یہ لڑکی جو ایسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئی حرام ہے، جو نکاح کرے وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (شرح الوقایہ، کتاب النکاح، ج: 2، ص: 119)

الاستفتاء

دوران عدت نکاح اور اس کے گواہوں کے متعلق حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کے باپ نے مطلقہ عورت کا نکاح دوران عدت پڑھا کر دے دیا۔ اب اس نکاح کے اندر جتنے آدمی موجود تھے ان کے نکاح کی اب کیا صورت ہے اور ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب منه الهداية والصواب

عدت ختم ہوئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا بہت بڑا گناہ ہے، عدت میں تو نکاح کا پیغام دینا بھی جائز نہیں، لہٰذا جن لوگوں کو عدت پوری نہ ہونے کا علم تھا وہ اعلانیہ توبہ کریں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



منہ بولے باپ سے نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک 14 سالہ لڑکی نے ایک مرد جس کی عمر 45 سال تھی اس کو کہا کہ میں تجھے اپنا باپ مانتی ہوں، پھر اس نے کہا کہ دل سے باپ سمجھتی ہوں، اب وہ اس مرد کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے، شرع شریف کا اس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

السائل: محمد نواز، میانہ گوندل

الجواب منه الهداية والصواب

کسی کو کوئی مرد یا عورت باپ، بیٹا، ماں یا بیٹی کہے تو وہ از روئے شرع شریف ایک دوسرے پر حرام نہیں ہوتے، ان کے لیے آپس میں ازدواجی تعلق بنانا جائز ہے اور اگر پہلے میاں بیوی ہوں تو نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

مَا جَعَلَ اللهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الّٰئِي تُظَاهِرُوْنَ مِنهنَّ أُمَّهاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وهو يَهْدِي السَّبِيلَ. أَدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ .[1]

ترجمہ: اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے اور تمہاری ان عورتوں کو جنہیں تم ماں کے برابر کہہ دو تمہاری ماں نہ بنایا اور نہ تمہارے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو تمہارا بیٹا بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔



دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا کہ:

اَلَّذِينَ يُظَاهِرُوْنَ مِنكُمْ مِّنْ نِّسَاءِهِمْ مَّا هُنَّ أُمَّهاتِهِمْ اِنْ أُمَّهاتُهُمْ اِلَّا الّٰئِي وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ.[2]

ترجمہ: وہ جو تم میں سے اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

1- (سورہ: احزاب، آیات نمبر: 4-5)

2- (سورہ: المجادلہ، آیت نمبر: 2)

پہلی آیت کا شان نزول اس طرح فرمایا گیا ہے کہ منافقین حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے کہ آپ کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا آپ کے صحابہ کے ساتھ اور زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرد اپنی عورت سے ظہار کرتا تو وہ لوگ اس ظہار کو طلاق سمجھتے تھے اور اس عورت کو اس کی ماں قرار دیتے تھے اور جب کوئی شخص کسی کو بیٹا کہہ دیتا تھا تو اس کو حقیقی بیٹا کہہ کر شریک میراث ٹھہراتے تھے اور اس کی بیوی کو بیٹا کہنے والے کے لیے صلبی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام جانتے تھے، ان سب کے رد میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔



نیز قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضي زَيدٌ منها وَطَرًا زَوَّجْناكَهَا لِكَي لَا يكُوْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا منهنَّ وَطَرًا .[1]

ترجمہ: پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کی بیویوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے۔

1- (سورہ: احزاب، آیت نمبر: 37)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے، انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دے دیا اور اس آیت کریمہ میں اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ آپ کی امت کے لیے وسعت پیدا کی گئی ہے کہ جو کسی کو متبنیٰ بنائے تو اس کی بیوی اس کے حقیقی بیٹے کی بیوی کی مانند حرام نہیں ہے۔



اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے فتاوی رضویہ سے تین سوال نقل کیے جاتے ہیں:

1 سوال:

ایک شخص اہل اسلام نے اپنے گھر میں میاں بیوی سے جھگڑا اور غصہ کی حالت میں یہاں تک بیتاب ہو گیا کہ اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھا اور اس کا سینہ منہ میں رکھ لیا اور بیوی نے بھی غصے کی حالت میں کہا کہ اگر تو مجھ کو ماں کہتا ہے تو میں بھی تجھ کو بیٹا کہتی ہوں، بعد اس جھگڑے کے جب ان دونوں کا غصہ رفع ہوا تو اپنے اس کلام اور اس فعل سے نہایت نادم وشرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے مؤاخذہ میں ہم دونوں گنہگار ہوں اور اسی وقت کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا سب علیحدہ کر لیا، اب وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ اس بارے میں مطابق حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے کرام کیا فتوی دیتے

ہیں، آیا میاں بیوی ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بیوی کا دودھ شوہر کے منہ میں نہیں آیا تو بیوی نکاح کے اندر ہے یا باہر؟ طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب:

صورت مذکورہ میں وہ اسے ماں اور وہ اِسے بیٹا کہنے سے دونوں گنہگار ہوئے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا .[1]

ترجمہ: اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔

مگر نکاح میں کچھ فرق نہ آیا اور پستان منہ میں لینا تو کوئی چیز نہیں، اگر دودھ پی بھی لیتا تو وہ پینا حرام ہوتا مگر نکاح میں اس سے خلل نہ آتا کہ اڑھائی برس کی عمر کے بعد دودھ سے حرمت نہیں ہوتی اور دونوں کو جدا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، وہ بدستور میاں بیوی ہیں۔

2 سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دیندار و مشائخ باوقار اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالت غصہ ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا، عورت اس کے نکاح میں رہی یا بحکم شرع شریف جاتی رہی؟

1- (سورہ: المجادلہ، آیت نمبر: 2)

جواب:

زوجہ کو ماں بہن کہنا، خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے کہ تو میری ماں بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے، نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو۔



سوال3:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شوہر عادات زوجہ کو عادات محارم سے تشبیہ دے یا عورت اپنے اعضاء خواہ عادات کو محارم شوہر کے اعضاء و عادات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں کفارہ لازم اور اس کے ادا تک عورت حرام ہے یا نہیں؟

جواب:

تاوقتیکہ اپنی زوجہ یا اس کے ان اعضاء کو جن سے کل جسم تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً: عربی میں راس، رقبہ، ظہر، فرج یا اس کے ایک جزو شائع مثل نصف، ربع، ثلث کو کسی محرم ابدی سے تشبیہ نہ دے، ظہار نہیں ہوتا پس تشبیہ عادات زوجہ بعادات محارم موجب حرمت و کفارہ نہیں۔[1]

1- (فتاوی رضویہ، کتاب الطلاق، باب الظہار، ج:13، ص: 279-286)

جب خاوند اور بیوی ہوئے تو ایسے الفاظ کوئی اثر نہیں رکھتے تو پہلے کیے ہوئے ازدواجی تعلق میں کوئی رکاوٹ نہ ہوں گے اور عورت حلال ٹھہرے گی۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]



اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



لاپتہ شوہر کی بیوی کا دوسری جگہ نکاح کب درست ہوتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غضنفر کا نکاح کبری بی بی کے ساتھ ہوا، تقریبا 7 سال سے غضنفر لا پتہ ہے، اس کی زندگی یا موت کا کوئی پتہ نہیں چل رہا،

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر:24)

بہت کوشش کے باوجود تاحال کوئی سراغ نہیں مل رہا، اب لڑکی کے والدین لڑکی کو کسی دوسری جگہ نکاح کر کے دینا چاہتے ہیں، کیا یہ اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قرآن وسنت کی روشنی وضاحت فرمائیں۔

السائل: غلام نبی، آزاد کشمیر



الجواب منه الهداية والصواب

جب تک اس آدمی کی حقیقی یا حکمی موت کے بعد عدت پوری نہ ہو جائے یا وہ طلاق دے کر اپنا نکاح ختم نہ کر دے، دوسری جگہ نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ .[1]

ترجمہ: اور حرام ہیں شوہر والی عورتیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ .[2]

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)
2- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 237)

ترجمہ: خاوند کے قبضہ میں نکاح کی گرہ ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا. [1]



ترجمہ: اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ (بیویاں) چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

اور حکمی موت یہ ہے کہ خاوند کی عمر نوے (90) سال ہو جائے اور اس کا کچھ پتہ نہ ہو تو قاضی اس کے فوت ہونے کا فیصلہ صادر کرے، پھر یہ عورت وفات کی عدت گزارے۔

ان صورتوں کے علاوہ عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 234)



دوران عدت نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کا پہلے نکاح ہوا اور طلاق ہو گئی، حاملہ بھی نہیں ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے کسی جگہ نکاح کیا، رقم بٹوری پھر طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ اس سے نکاح عدت کے بغیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نکاح عدت کے بغیر پڑھایا گیا ہے تو جن لوگوں نے نکاح میں شمولیت کی، ان کے لیے کیا حکم ہے؟ نکاح میں شامل لوگوں کو پہلے نکاح کا علم نہیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نکاح تھا، جب پوچھا گیا تو لوگوں نے بتایا کہ طلاق ہو گئی ہے، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب منه الهداية والصواب

عدت میں نکاح کرنا حرام قطعی ہے اور محض باطل ہے، اگر کیا گیا تو نہ ہوا۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[1]

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر:228)

ترجمہ: اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔

دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰي يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَه. [1]

ترجمہ: اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔



اگر حمل یا بچہ پیدا شدہ موجود ہو تو طلاق وعدت کی تحقیق کرنے کے بغیر نکاح کرنے والے سب گنہگار ہیں، سب پر توبہ کرنا لازم ہے۔

اگر نکاح کا کوئی اثر موجود نہ ہو اور پہلے نکاح کا کوئی علم نہ ہو تو نکاح کی مجلس میں بیٹھنے والے اور گواہ یا نکاح خوان بننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ بعد میں معلوم ہو کہ پہلے کہیں نکاح ہوا تھا کیونکہ بلاوجہ کسی مسلمان کو جھوٹا گمان کرنا جائز نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر: 235)

الاستفتاء

بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر درست نہیں



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مصباح نورین کا عقد اس بناء پر ہوا کہ یہاں ہماری برادری میں ایک المیہ ہوا ہے جس میں میرا بھائی ملوث تھا، فریق ثانی نے صلح کے لیے ایک شرط رکھ دی کہ ہمیں بچی کا اس عوض میں عقد کر کے دو، اس عقد پر نہ تو میرا بھائی رضامند تھا اور نہ میں خود رضامند تھی، میرے والد کو برادری والوں نے مجبور کیا، میں گھر میں تھی اور اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ میں اس معاملہ میں ہرگز اجازت نہیں دیتی، بالآخر میرے والد نے مسجد میں نکاح پڑھوا لیا،اور عشاء کے بعد نکاح خوان رجسٹرڈ لیکر میرے پاس آیا تو میں نے صاف انکار کر دیا اور اس وقت میں عاقلہ بالغہ تھی، میں چیختی چلاتی رہی کہ میں اس صورت میں اپنے عقد کی اجازت نہیں دیتی، اور نہ ہی مجھ سے اجازت لی گئی اور نہ ایجاب وقبول ہوا، میرے والد نے زبردستی انگوٹھا رجسٹر پر لگوا لیا۔

اس معاملے میں میرے حقیقی چچا احمد خان اور میرا سگا بھائی نثار احمد موجود تھے، نہ ابھی تک رخصتی ہوئی ہے اور نہ ہی میں راضی ہوں، کیا صورت مسؤلہ میں میرا

عقد عند الشرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم درست ہے یا نہیں ؟ کیا میں اپنا عقد اپنی مرضی

سے کر سکتی ہوں یا نہیں؟

السائلہ: مصباح نورین

الجواب منه الهداية والصواب



یہ نکاح غیر معتبر اور کالعدم ہے، سائلہ جہاں چاہے اپنا عقد کر سکتی ہے، کیونکہ عاقلہ، بالغہ عورت خود نکاح کا اختیار رکھتی ہے، ولی اسے مجبور نہیں کر سکتا اور اگر اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْأَيِمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا. [1]

(عاقلہ بالغہ) عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے نکاح کا حق رکھتی ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَلَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِ اِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ عَلَي النِّكَاحِ. [2]

ولی کے لیے باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

1- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: فی الاولیاء والاکفاء، ج: 2، ص: 335)
2- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: فی الاولیاء والاکفاء، ج: 2، ص: 335)

بحر الرائق میں ہے کہ:

لَا ینْفُذُ عَقْدُ الْوَلِيِ عَلَيْهَا بِغَيرِ رِضَاهَا

کسی عورت کا ولی اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کردے تو وہ نافذ نہ ہو گا۔

نیز فرمایا:



وَالْبُلُوْغُ قَاطِعٌ لِلْوِلَايَةِ.[1]

عورت کا بالغ ہونا ولایت (اجبار) کو قطع کر دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور عرض کی کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے، تو:

فخيرها النبي صلي الله عليه وسلم .[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو اختیار دیا۔

اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

فِيْهِ أَنَّه لَا اِجْبَارَ لِلْوَلِي عَلَي الْبَالِغَةِ وَلَوْ كَانَتْ بِكْرًا.[3]

1- (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء فی النکاح، ج: 8، ص: 84)
2- (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب: من زوج ابنته وهي كارهة، ج: 1، ص: 603، حدیث نمبر: 1875)
3- (مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب النکاح، باب: الولی فی النکاح، ج: 10، ص: 77)

اس حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بالغہ لڑکی کو ولی کسی سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اگرچہ وہ باکرہ ہو۔

لہذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اور لڑکی کو اپنی مرضی سے عقد کرنے کا اختیار ہو گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





زانی عورت کے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواری لڑکی سے گناہ (زنا) سرزرد ہوا تھا، اب اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: صوفی محمد عدالت، ساکن: چنڈہ ضلع جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

اس عورت کے لیے چند مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں جیسے اس کا باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ ان میں زانی کے اصول و فروع مذکر شامل ہیں اور جن کے لیے یہ

عورت حرام ہے ان کے علاوہ کسی بھی مرد سے نکاح ہو سکتا ہے، البتہ اگر زنا سے حمل ہو تو جس کا حمل ہو وہ نکاح کے بعد وطی بھی کر سکتا ہے اور دوسرے مرد کا نکاح صحیح ہے اور وضع حمل سے پہلے وطی ناجائز ہے، اگر حمل نہ ہو تو نکاح و وطی دونوں چیزیں جائز ہیں۔



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



میاں بیوی کے مابین ناچاکی کا نکاح پر اثر پڑتا ہے یا نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور اس کے خاوند کے درمیان عرصہ 12 سال سے ناچاکی ہے، اب اگر وہ آپس میں صلح کرنا چاہیں تو نکاح کی کیا حیثیت ہے؟ یعنی قائم ہے یا ختم ہو گیا ہے؟ کیونکہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، لڑکی کے والدین نے ہی اس لڑکے کو پالا ہے، شادی بھی کی ہے، دونوں پھوپھی اور ماموں زاد ہیں۔

مسئلہ کی شرعی وضاحت فرمائیں۔

الجواب منه الهداية والصواب

نکاح کے وقت سے لیکر آج تک کسی بھی وقت خاوند نے اپنی بیوی سے چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ تک جماع نہ کرنے کی قسم کھائی ہو تو وہ عرصہ یعنی چار ماہ گزرنے پر نکاح ختم ہو گیا ہے۔



اگرایسی صورت نہ تو تمام عمر بھی جماع نہ کرنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا۔

اگر نکاح ختم نہیں ہوا تو صرف صلح کرنا لینا ہی کافی ہے اور اگر نکاح ختم ہو چکا ہے تو تجدید نکاح کر لیں یعنی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو جائے، حلالہ شرعی وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



زنا سے حاملہ کے ساتھ نکاح ووطی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد کا ایک عورت سے نکاح ہوا، جبکہ دو ماہ بعد معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ نکاح کے بعد حمل بھی ضائع کر دیا گیا۔

السائل: محمد اکرم ولد خوشی محمد

الجواب منه الهداية والصواب



اگر زنا سے حاملہ ہوئی ہے تو نکاح صحیح ہے، اگر نکاح زانی سے ہوا تو نکاح کے بعد ہمبستری بھی جائز ہو گی، لیکن اگر کسی اور مرد سے نکاح ہوا تو اس کے لیے اس وقت تک جماع کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ پیٹ میں بچہ ہے اور پیٹ خالی ہونے کے بعد جائز ہے۔

البتہ اگر بچہ میں جان پڑنے کے بعد ضائع کروایا گیا تو قتل کا گناہ ہوا۔

لہذا جو کچھ گناہ ہوا اس کی توبہ لازم ہے اور توبہ کی قبولیت کے لیے توبہ کرنے سے پہلے حسب توفیق کچھ صدقہ و خیرات اور نماز و تلاوت وغیرہ کرنی چاہیے تاکہ قبولیت کی امید بڑھ جائے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَاِنْ تَزَوَّجَ حُبْلَي مِنْ زِنَا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يطَأُهَا حَتّي تَضَعَ حَمْلَهَا .[1]

1- (ہدایہ، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج: 2، ص: 332)

اور اگر زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ وضع حمل تک وطی نہیں کرے گا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَلِهٰذَا لَمْ يجُزْ اِسْقَاطُه. (1)

اور (بچہ قابل احترام ہے) اس لیے اس کا اسقاط جائز نہیں ہے۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



سابقہ میاں بیوی کی اولاد کا آپس میں رشتہ کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ شادی کی، پھر طلاق دے دی، مرد نے اور شادی کرلی، عورت نے بھی اور شادی کرلی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی اولاد کا آپس میں رشتہ شرعاً کیسا ہے؟

السائل: حافظ حاجی عاشق حسین، گجرات

1- (ہدایہ، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج:2، ص:332)

الجواب منه الهداية والصواب

جائز ہے۔

قرآن مجید میں جو محرمات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ شامل نہیں ہیں، اور دوسری آیت حلت والی آیت میں شامل ہیں، جو کہ یہ ہے:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]



اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

ان دونوں کا ایک وقت ازدواجی تعلق رہا ہے، اب نہیں ہے اور ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ دار نہیں ہے، اگر ان دونوں کے ازدواجی تعلقات ہوتے ہوئے دونوں کے پچھلگ (پچھلے نکاح کے) بیٹے بیٹی کا نکاح کیا جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے کہ:

وَأَمَّا بِنْتُ زَوْجَةِ أَبِيْهِ أَوْ اِبْنُهَا فَحَلَالٌ .[2]

اور لیکن اپنے والد کی بیوی کی بیٹی یا بیٹا حلال ہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

2- (ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج: 9، ص: 255)



نکاح پر نکاح کے گواہوں کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کرتا ہے، باقاعدہ بارات آتی ہے، مہمان آتے ہیں، کھانا پکتا ہے اور کھلایا جاتا ہے، بچی کو سسرال کے ہاں بھیج دیا جاتا ہے، تقریباً دوماہ کے بعد بعض احباب کی زبانی پتہ چلتا ہے کہ اس بچی کا عقد نکاح پہلے بھی نابالغی کی حالت میں والد نے کر دیا تھا، تفتیش کے بعد باقاعدہ نکاح کا ثبوت مہیا ہو جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح پر نکاح میں دو قسم کے لوگ شامل تھے، نکاح خوان اور چند ایسے گواہ جو بالکل بے خبر تھے اور کچھ لوگ وہ تھے جن کو پہلے نکاح کا علم بھی تھا اور دوسرے میں بھی مکمل شامل رہے، پہلے گروہ کا کیا حکم ہے؟ اور دوسرے گروہ کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

الجواب منه الهداية والصواب

جن لوگوں کو پہلے نکاح کا علم نہ تھا تو دوسرے نکاح کی مجلس میں شمولیت سے ان پر کوئی الزام نہیں، لیکن جنہیں عقد اول معلوم تھا اور دوسرے عقد کی مجلس میں

بھی شامل رہے، حاضرین مجلس کو نہ بتایا، وہ کئی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے سخت ترین گنہگار ہوئے کہ انہوں نے کتمانِ حق کیا، یہ دوسرے عقد کی مجلس کا انعقاد حرام تھا، اس حرام کام میں لوگوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور جانتے ہوئے بھی لوگوں کو اس حرام کاری سے نہ روکا، بلکہ جن کا عقد کیا گیا ان کے زانی اور زانیہ بننے میں مددگار و معاون ہوئے، ان پر توبہ و استغفار لازم ہے۔



البتہ اگر پہلے عقد کو جاننے والوں میں سے کوئی شخص دوسرے عقد کہ جس کی حرمت قرآنی آیت سے صراحتاً ثابت ہے، جائز تصور کر کے شامل ہوا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس کے لیے تجدید اسلام لازم ہے، اگر بیوی رکھتا ہے اور آئندہ بھی رکھنا چاہتا ہے تو تجدید نکاح بھی لازم ہے۔

ردالمحتار میں ہے کہ:

مَا يَكُوْنُ كُفراً اِتِّفَاقاً يبْطِلُ الْعَمَلَ وَالنِّكَاحَ وَمَا فِيْهِ خِلَافٌ يؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَتَجْدِيدِ النِّكَاحِ.[1]

جو کام علمائے کرام کے نزدیک بالاتفاق کفر ہو اس کے ارتکاب سے عمل اکارت ہو جائیں گے اور نکاح باطل ہو جائے گا، اور جس کام میں اختلاف ہو

1- (ردالمحتار، کتاب الجہاد، باب المرتد، ج: 16، ص: 275)

(یعنی بعض علماء اس کو کفر شمار کریں اور بعض نہیں) تو اس کے مرتکب کو توبہ، استغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

حرام قطعی کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور اسے حلال جاننا کفر ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم



وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی محمد عنایت ولد محمد صدیق پھالیہ کا رہنے والا ہے، اس نے 1996 05-12 کو اپنی حقیقی بیٹی کی شادی ظفر اقبال ولد غلام رسول ساکن پھالیہ سے کی۔

میری بچی کا نام زاہدہ پروین ہے، ظفر اقبال داماد ہونے کے رشتے سے میرے گھر میں آنے جانے کا پابند نہ ہوا، میری اور بھی پانچ بچیاں ہیں، -2001 03-08 کو ظفر اقبال نے میری دوسری بیٹی بشری پروین کو اغواء کر لیا، تین دن بعد

برادری طور پر انہوں نے بشریٰ کو واپس کیا اور تمام حضرات کے سامنے معافی مانگ کر، ذمہ داری کا شرعی حکم قبول کر کے، ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلا کر زاہدہ پروین سے صلح ہوئی۔



میں نے بشریٰ کا نکاح مختار احمد ولد غلام رسول ساکن چک شہباز سے کر دیا، تقریباً چار ماہ بعد پھر ظفر اقبال نے بشریٰ کو اغواء کر لیا، پھالیہ کی مغل برادری نے مل کر تھانہ پھالیہ میں ایف آئی آر درج کروائی، جس میں دونوں کو ملزم قرار دیا اور وہ آج جیل میں ہیں جبکہ زاہدہ پروین تین بچوں کی ماں ہے اور اس وقت بھی انہی کے گھر میں ہے۔

میں ذاتی طور پر اور مغل برادری خاص طور پر زاہدہ پروین کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں جو حکم ہو گا، اس پر عمل کریں گے اور عمل کروائیں گے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں آپ ہماری راہنمائی فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

ضروری نوٹ: بشریٰ کے ساتھ ظفر اقبال کا نکاح بھی ہوا۔

الجواب منه الهداية والصواب

زاہدہ پروین سے نکاح باقی ہے، اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا اور بشریٰ کے ساتھ اس کا رویہ بہت ہی سخت حرام اور اشد کبیرہ ہے کیونکہ جس عورت سے

نکاح ہو سکتا ہے اس سے میل جول، خلوت اور وطی سب کچھ بغیر نکاح کے حرام ہے اور اگر اسلامی قانون نافذ ہو تو ایسے شخص کی سزا جرم ثابت ہونے پر یہ ہے کہ اسے میدان میں کھڑا کر کے سنگسار کر دیا جائے، جو کہ بظاہر مرتد کی سزا سے زیادہ سخت ہے۔



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ .[1]

زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا۔

بشری کہ جس کی بہن اس (ظفر اقبال) کی بیوی ہے، وہ اپنے بہنوئی کے لیے دو طرح سے حرام ہے:

1: اس سے نکاح نہیں ہے۔

2: جب تک زاہدہ اس کے نکاح سے مکمل طور پر فارغ نہ ہو جائے تو وہ بشری سے نکاح کرنے کی کوشش کرے تو بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ .[2]

1- (صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب: النھبی بغیر اذن صاحبہ، ج: 2، ص: 875، حدیث نمبر: 2343)
2- (سورہ: النساء، آیت نمبر: 23)

ترجمہ :- اور دو بہنیں (ایک نکاح میں) اکھٹی کرنا۔

اور نکاح کر کے بشری سے وطی کی تو جب تک بشری اس سے علیحدہ ہو کر عدت نہ گزارے اس وقت تک زاہدہ بھی حرام رہے گی۔

فتح القدیر میں ایک عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے نکاح کے بارے میں ارشاد فرمایا:



وَبَطَلَ الثَّانِي وَلَه وَطْءُ الْأُوْلَي اِلَّا اَنْ يطأ الثَّانِيَة فتحْرُمُ الْأُوْلَي اِلَي انْقِضَاءِ عِدَّةِ الثَّانِيَةِ. [1]

اور دوسرا نکاح باطل ہے اور اس کے لیے پہلی عورت کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے مگر جب اس نے دوسری سے وطی کر لی تو دوسری کی عدت مکمل ہونے تک پہلی اس کے لیے حرام ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل: فی بیان المحرمات، ج: 6، ص: 359)

الاستفتاء

فتاویٰ
بھکھی شریف

سالی سے بدکاری کرنے سے نکاح پر اثر پڑتا ہے کہ نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی منکوحہ کی ہمشیرہ جو کہ شادی شدہ ہے، کو اغواء کر لیا، ایک ماہ کے اندر اندر پکڑے گئے، اب وہ شخص جیل میں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ شخص کا نکاح پہلی بیوی سے قائم ہے کہ نہیں؟ اس کی شرعی صورت کیا ہے؟

السائل: قاری سید حسین، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

سالی سے زنا کرنے سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا، البتہ زنا کا گناہ مطلق زنا سے بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے کہ:

''زوجہ کی موجودگی میں سالی سے نکاح حرام ہے اور اس پر فرض ہے کہ اسے ہاتھ نہ لگائے اور فوراً چھوڑ دے اور زنا تو ہر حال حرام ہی ہے مگر سالی سے نکاح یا زنا کرنے سے زوجہ مطلقہ نہیں ہوتی''۔[1]

1- (فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، باب: المحرمات، ج: 11، ص: 318)

ردالمحتار میں ہے کہ:

وَطْئُ أُخْتِ امْرَأَتِهِ لَا تُحَرِّمُ عَلَيْهِ امْرَأَتَه .[1]

بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





سسر بہو سے اور داماد اپنی ساس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

1: جب بیٹا فوت ہو جائے تو سسر اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

2: اگر کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو وہ اپنی بیوی کی سگی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: حافظ منظور احمد، خطیب جامع مسجد غربی بہارِ مدینہ

1- (ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج: 9، ص: 273)

الجواب منه الهداية والصواب

سسر اپنے بیٹے کے فوت ہونے پر اپنی بہو سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اسی طرح کوئی مرد اپنی ساس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان میں ارشاد فرمایا:



وَأُمَّهَاتُ نسائكُمْ .

ترجمہ: اور (تمہاری) عورتوں کی مائیں (تم پر حرام ہوئیں)۔

پھر فرمایا:

وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ. [1]

ترجمہ: اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ہوئیں)۔

ردالمحتار میں ہے کہ:

وَحَرَّمَ الْمُصَاهَرَةُ (بِنْتَ زَوْجَتِه الْمَوْطُوْءَةِ وَأُمَّ زَوْجَتِه .... وَنِكَاحُ الْبِنَاتِ يحَرِّمُ الْأُمَّهَاتِ .

اور حرمت مصاہرت: جس بیوی سے جماع کر لیااس کی بیٹی حرام ہے اور اس بیوی کی ماں بھی حرام ہے، (پھر ارشاد فرمایا) اور بیٹی سے نکاح کرنا بھی ماں کو حرام کر دیتا ہے۔

1- (سورہ: النساء، آیت نمبر: 23)

اور پھر فرمایا:

وَزَوْجَةِ أَصْلِهِ وَفَرْعِهِ مُطْلَقًا .[1]

اور اپنے اصل (باپ، دادا، نانا وغیرہ) کی بیوی اور اپنے فرع (بیٹا، پوتا وغیرہ) کی بیوی بھی حرام ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





غیر کفو میں نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بنت زید قوم مسلم شیخ جو خود بالغ ہے، اس کا والد فوت ہو چکا ہے، ہندہ کی والدہ نے زید کی وفات کے بعد زید کے چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا ہندہ اپنی والدہ کی رضامندی سے عمر ولد محمد دین قوم لوہار سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی اور لڑکا دونوں بالغ ہیں لیکن غیر کفو ہیں اور عوام میں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ نکاح ہو چکا ہے، حقیقتاً ہوا نہیں مگر ہر

1- (ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج: 9، ص: 255)

دو طرف ورثاء خاموش ہیں، کیا مذکورہ بالا لڑکی اور لڑکے کا نکاح عند الشرع جائز ہے؟

السائل: ظہور احمد، خادم دربار عالیہ بھکھی شریف، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب



یہ نکاح جائز ہے، از روئے شرع شریف اس میں کوئی وجہ عدم جواز کی نہیں ہے۔ عمرو ولد محمد دین اگرچہ ہندہ کے والد سے پیشہ میں مختلف ہے لیکن اس سے کم تر پیشے والا نہیں، اس لیے اس میں ہندہ کے اولیاء کے لیے کوئی عار نہیں، اگر یہ نکاح ہندہ اپنی مرضی سے کر لے تو اس کے ولی کو یہ نکاح فسخ کروانے کا حق نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

نابالغہ کا نکاح کیسا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی پانچ سالہ بچی کا نکاح بچپن میں کیا، لڑکی کی عمر جب پندرہ سال ہوئی تو لڑکی نے اپنی رضامندی سے اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کر لیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح ثانی کی حیثیت کیا ہے؟

السائل: محمد خان، کوٹ بلوچ

الجواب منه الهداية والصواب

باپ اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنی مرضی سے کر سکتا ہے اور کر دے تو صحیح اور ایسا مضبوط ہوتا ہے کہ لڑکی بالغ ہونے پر اسے فسخ نہیں کر سکتی اور جب تک ایک نکاح ثابت ہو اس وقت تک دوسرے مرد کا اس سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا، لہٰذا دوسرا نکاح محض باطل ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ .(1)

ترجمہ: اور حرام ہیں شوہر والی عورتیں۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَيجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِي .(2)



چھوٹے بچے یا بچی کا نکاح جب ولی کرے تو جائز ہے۔

پھر فرمایا:

(فَإِنْ زَوَّجَهُمَا الْأَبُ أَوِ الْجَدُّ) يعْنِي الصَّغِيرَ وَالصَّغِيرَةَ (فَلا خِيارَ لَهُمَا بَعْدَ بُلُوْغِهِمَا) .(3)

پس اگر لڑکے اور لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے کر دیا تو بلوغت کے بعد ان دونوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

2- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: فی الاولیاء والاکفاء، ج: 2، ص: 338)

3- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب: فی الاولیاء والاکفاء، ج: 2، ص: 338)

الاستفتاء

عدالتی نکاح کے بعد دوبارہ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے اور لڑکی نے عدالت میں نکاح کیا، کیا دوبارہ اسی لڑکی اور لڑکے کا نکاح عام پنچایت میں کرنے کی ضرورت عند الشرع ہے یا وہی نکاح کافی ہے؟



الجواب منه الهداية والصواب

جن کا پہلے آپس میں نکاح ہو چکا ہے ان کے لیے پھر آپس میں نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ردالمحتار میں ہے کہ:

وَالْاِحْتِيَاطُ أَنْ يجَدِّدَ الْجَاهِلُ إيمَانَه كُلَّ يوْمٍ وَيجَدِّدَ نِكَاحَ امْرَأَتِه عِنْدَ شَاهِدَيْنِ فِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَينِ. (1)

اور احتیاط اسی میں ہے کہ عوام روزانہ تجدید ایمان کرے اور ہر مہینے میں ایک یا دو دفعہ دو گواہوں کی موجودگی میں تجدید نکاح بھی۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

---

1. (ردالمحتار، مقدمہ، ج: 1، ص: 100)

الاستفتاء

حلالہ شرعی کے بعد پہلے خاوند سے نکاح جائز ہے

فتاوی بھکھی شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کی عدت بھی گزر گئی، اس بیوی نے دوسری جگہ نکاح کیا اور اس مرد نے اس بیوی کے ساتھ صحبت بھی کی اور پھر اس مرد نے اس بیوی کو طلاق دی اور پھر عدت گزر جانے کے بعد اس عورت نے اپنے پہلے خاوند سے نکاح کیا، کیا اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

السائل: قاری ضیاء اللہ، چک جنوبی ضلع سرگودھا

الجواب منه الهداية والصواب

جائز ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه، مِنْ بَعْدُ حَتّي تَنْكِحَ زَوْجًا غيرَه. [1]

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

1- (سورہ: بقرہ، آیت نمبر:230)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے مسئلہ پوچھا کہ رفاعہ نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں، میں نے بعد میں عبد الرحمٰن سے نکاح کیا، وہ نامرد ہیں، کیا میں پھر رفاعہ سے نکاح کر سکتی ہوں؟

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا حَتَّي تَذُوْقِي عَسِيلَتَه وَيَذُوْقَ عَسِيلَتَكِ. [1]



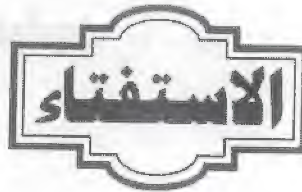
نہیں، جب تک تمہارا آپس میں جماع نہ ہو جائے۔

جب سوال سے یہ سب کچھ ثابت ہے تو حلت میں کوئی شبہ نہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



شیعہ لڑکے سے بچپن میں لڑکی کا نکاح کر دینا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹی سی بچی جس کی عمر چھ سال تھی، اس کا نکاح ایک شیعہ کے ساتھ پڑھایا گیا، اب وہ بچی اس شیعہ کے ساتھ نکاح

1- (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب: لاتحل مطلقۃ ثلاثا، ج: 4، ص: 154، حدیث: 3599)

نہیں رکھنا چاہتی، کیا اس کا نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ اگر ہوا ہے تو کیا مسئلہ ہے؟ اور نکاح پڑھانے والا بھی شیعہ مولوی ہے۔

السائل: سید ابو بکر شاہ، چک نمبر: 8، ایم ایل گھوڑ پور ضلع سرگودھا

الجواب منه الهداية والصواب



اگر نکاح پڑھاتے وقت ولی کو معلوم تھا کہ جس سے نکاح پڑھا رہا ہے وہ شیعہ ہے اور جان بوجھ کر اسے رشتہ دیا اور نکاح پڑھایا تو اب فتوی کی آڑ میں اسے مطلب بر آری نہ کرنا چاہیے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ اکثر رافضی تبرائی کفریہ عقائد رکھتے ہیں، اگر لڑکے کے عقائد ایسے تھے تو اس سے نکاح باطل محض ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



ٹیلی فون پہ نکاح کا حکم/ اور اس کا صحیح طریقہ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ٹیلیفون پہ نکاح کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

السائل: محمد عباس، کراڑیوالہ

الجواب منه الهداية والصواب

انعقاد نکاح اگر ایجاب و قبول لفظی سے ہو تو عاقدین کے لیے اتحاد مجلس صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے۔

بحر الرائق میں ہے کہ:

فَمِنْهَا اِتِّحَادُ الْمَجْلِسِ إِذَا كَانَ الشَّخْصَانِ حَاضِرَيْنِ فَلَوِ اخْتَلَفَ الْمَجْلِسُ لَمْ يَنْعَقِدْ .[1]

(ایجاب و قبول کی شرائط میں سے) ایک شرط یہ ہے کہ عاقدین مجلس میں حاضر ہوں تو لفظوں سے ایجاب و قبول کر سکتے ہیں، مجلس ایک نہ ہو تو نکاح نہیں ہو گا۔

1- (البحر الرائق، کتاب النکاح، ج:7، ص:473)

لہٰذا اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جیسے لڑکی کی طرف سے عموماً ہمارے علاقے میں اس کا وکیل نکاح کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے فلاں لڑکی کا نکاح اس کے وکیل کی حیثیت سے تیرے ساتھ کیا، تو لڑکا خود موجود ہوتا ہے اور اس لڑکی کو قبول کر لیتا ہے، لیکن یہاں لڑکے کی طرف سے بھی اس کی اجازت سے ایک وکیل ہو اور دونوں وکیل نکاح کی مجلس میں حاضر ہوں اور لڑکی کا وکیل لڑکے کے وکیل کو کہے کہ: میں نے فلاں لڑکی کا نکاح بحیثیت وکیل فلاں لڑکے کے لیے تجھے کر دیا، تو لڑکے کا وکیل کہے کہ: میں نے اس لڑکی کو اس لڑکے کے لیے بحیثیت وکیل قبول کیا، تو اس طرح نکاح صحیح ہو جائے گا۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

الاستفتاء

شیعہ لڑکی اور سنی لڑکا ہو تو ان کا نکاح سنی عالم پڑھا سکتا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکا سنی ہو اور لڑکی شیعہ ہو، ان کا نکاح شیعہ مولوی پڑھائے اور ان کی اولاد ہو ان کے کانوں میں شیعہ کی اذان دی جائے اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ سنی مولوی پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟

اس کی بھی وضاحت کریں کہ شیعہ لڑکی اور سنی لڑکے کا نکاح سنی مولوی پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟

اور یہ کہ سنی کسی شیعہ میت کو غسل دے سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب منه الهداية والصواب

ہمارے ملک کے موجودہ روافض کے بعض عقائد کفریہ ہیں مثلاً: اہل بیت آئمہ کو نبیوں سے افضل ماننا، یہ اعتقاد رکھنا کہ موجودہ قرآن کریم میں صحابہ نے بہت سی تبدیلی کی ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور ان کے ایمان کا انکار کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

اگر کوئی لڑکی ایسے کفریہ عقائد رکھتی ہو تو اس کا نکاح جہاں کے کسی بھی انسان سے نہیں ہو سکتا، نکاح پڑھانے والا خواہ کوئی بھی ہو اور ایسی صورت میں اولاد ولد الزنا ہو گی۔

اور اگر عورت ایسے کفریہ عقائد نہیں رکھتی اور رسماً شیعہ بنی ہوئی ہے تو جب دو مسلمان آدمیوں کی موجودگی میں نکاح ہو تو نکاح صحیح ہو گا، پڑھنے والا جو بھی ہو اور ایسے ہی غیر مسلم میت کو غسل دینے کی ضرورت نہیں اور مسلم ہو تو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔



حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بد عقیدہ لوگوں کی علامات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

هُمْ شِرَارُ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ .[1]

وہ مخلوق میں سے برے ترین ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ:

وَأَحْكَامُهُمْ أَحْكَامَ الْمُرْتَدِّينَ .[2]

1- (مستدرک، کتاب: قتال اہل البغی، ج: 2، ص: 161، حدیث نمبر: 2649)
2- (فتاوی ہندیہ، کتاب السیر، مطلب: فی موجبات الکفر، ج: 17، ص: 154)

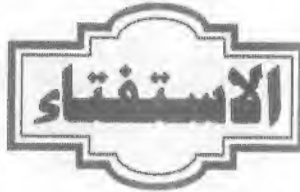
اوران (بد عقیدہ لوگوں) کے احکام مرتدین کے احکام کی طرح ہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





کیا مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تواس عورت کی پوتی سے اس کا نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب منه الهداية والصواب

نا جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ:

مَنْ زَنَي بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَبِنْتُهَا وَمَنْ مَسَّتْهُ امْرَأَةٌ بِشَهْوَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَبِنْتُهَا .[1]

1- (ہدایہ، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج:2، ص:329)

جس نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس مرد پر اس عورت کی ماں، بیٹی حرام ہے اور جس شخص کو کوئی عورت شہوت کے ساتھ چھو لے تو اس مرد کے لیے اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہے۔

اور البحر الرائق میں ہی ہے کہ:



وَأَرَادَ بِحُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ الْحُرُمَاتِ الْأَرْبَعَ: حُرْمَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى أُصُولِ الزَّانِي وَفُرُوْعِهِ نَسَباً وَرِضَاعًا وَحُرْمَةُ أُصُوْلِهَا وَفُرُوْعِهَا عَلَى الزَّانِيْ نَسَباً وَرِضَاعًا۔ [1]

حرمت مصاہرت سے چار حرمتیں لازم آتی ہیں:

☆---: مرد کے باپ، دادا وغیرہ تمام کے لیے وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو گی۔

☆---: مرد کے بیٹے، پوتے، نواسے وغیرہ کے لیے حرام ابدی ہو گی۔

☆---: عورت کے تمام مؤنث اصولی ماں، نانی، دادی وغیرہ اس مرد پر حرام ابدی ہو گئیں۔

☆---: عورت کے تمام مؤنث فروع بیٹی، پوتی، نواسی وغیرہ اس مرد کے لیے حرام ابدی ہو گئیں۔

1- (بحر الرائق، کتاب النکاح، فصل: فی المحرمات، ج: 8، ص: 47)

لہذا مزنیہ کی پوتی اس کی فروع ہے جو کہ زانی کے لیے حرام ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





باب المهر (حق مہر کا بیان)

الاستفتاء

کم مہر مقرر کرنے سے نکاح منعقد ہوتا ہے کہ نہیں



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی بالغہ کے وارث نکاح کے وقت حق مہر ساڑھے بتیس روپے رکھیں تو لڑکے والے یہ رقم موقع پر ادا کر دیں اور لڑکی اپنے خاوند کے پاس چھ دن سے ہے تو کیا یہ نکاح درست ہے یا کہ دوبارہ پڑھایا جائے گا؟

شریعت کا کیا حکم ہے کہ حق مہر اور ادا کیا جائے یا نکاح دوبارہ پڑھایا جائے؟

پاکستانی حق مہر کتنے روپے ہونا چاہیے؟

السائل: حافظ محمد اسلم، ساکن: موند ڈپو

الجواب منه الهداية والصواب

اس صورت میں اگرچہ حق مہر کم مقرر کیا گیا ہے لیکن نکاح درست ہے۔

فقہ کی ہر کتاب میں نکاح کے مسائل میں یہ مسئلہ درج ہے کہ مقرر ہی نہ کیا یا نکاح کے وقت کہا جائے کہ مہر کچھ نہ ہو گا تو بھی نکاح درست ہے، البتہ کم از کم مہر مثل واجب ہو گا۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔



ہدایہ میں ہے کہ:

ثُمَّ الْمَهْرُ وَاجِبٌ شَرْعًا اِبَانَةً لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَلَا يحْتَاجُ اِلَي ذِكْرِه لِصِحَّةِ النِّكَاحِ.[2]

پھر محل کے شرف کے اظہار کے لیے مہر شرعا واجب ہے پس صحت نکاح کے لیےاس کے ذکر کی محتاج نہیں ہے۔

نیز اسی میں ہی ہے کہ:

وَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يسَمِّ لَهَا مَهْرًا أَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَي أَنْ لَّا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا .[3]

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر:24)
2- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب المہر، ج: 2، ص: 345)
3- (ہدایہ، کتاب النکاح، باب المہر، ج: 2، ص: 346)

اور اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر کا ذکر ہی نہ کیا یا نکاح ہی اس شرط پہ کیا کہ مہر نہیں ہے، تو اس عورت کے لیے مہر مثل ہو گا اگر مرد اس سے دخول کرے یا مر جائے۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



باب الرضاعۃ (بچے کو دودھ پلانے کا بیان)

الاستفتاء

رضاعی بھتیجی سے نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افتخار علی رشیدہ بی بی کا بیٹا ہے، اس نے میری چچی رسولاں بی بی کے چھوٹے بیٹے کے ساتھ رسولاں بی بی کا دودھ پیا ہے، اب رسولاں بی بی کا بڑا بیٹا اپنی بیٹی کا رشتہ افتخار علی کو دیتا ہے، آیا یہ رشتہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

السائلہ: پروین اختر، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

یہ رشتہ از روئے شرع نہیں ہو سکتا۔

رسولاں بی بی دودھ کے رشتے سے افتخار علی کی والدہ ہوئی، اس کے بیٹے اس کے لیے سگے بھائیوں کی طرح ہو گئے تو جیسے حقیقی بھتیجی سے نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخالاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللاتِي أَرْضَعْنَكُمْ.[1]

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 23)

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں، اور بیٹیاں، اور بہنیں، اور پھوپھیاں، اور خالائیں، اور بھتیجیاں، اور بھانجیاں، اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (1)



جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے رضاعت کے ثبوت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت اپنا دودھ نکال کر ایک برتن میں رکھتی ہے، اور اس کی نند جو تقریباً بلوغت کے نزدیک ہے، اس نے وہ دودھ پی لیا۔

1- (صحیح بخاری، کتاب الشادات، باب: الشہادۃ علی الانساب والرضاع، ج: 2، ص: 935)

اب اس لڑکی کا رشتہ اس عورت کے بھائی کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

السائل: طالب حسین، کھائی

الجواب منه الهداية والصواب



اس دودھ سے رضاعت کا رشتہ ثابت نہیں ہوتا۔

ہدایہ میں ہے کہ:

ثُمَّ مُدَّةُ الرَّضَاعِ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا. [1]

رضاعت کی مدت دو سال چھ مہینے ہے۔

اسی میں ہے کہ:

وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيمٌ. [2]

جب (بچے کی) مدت رضاعت گزر جائے (یعنی بچے کی عمر زیادہ ہو جائے)

تو اس کے دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

1- (ہدایہ، کتاب الرضاع، ج:2، ص:369)

2- (ہدایہ، کتاب الرضاع، ج:2، ص:369)

لہٰذا قریب البلوغ لڑکی کے دودھ پینے سے دودھ والی عورت سے اس کا رضاعت کا رشتہ قائم نہیں ہو گا۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم





رضاعی بھائی سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مذکورہ لڑکے کے بھائی کا رشتہ پھوپھی کی بچی کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

السائل: حافظ محمد شیر

الجواب منه الهداية والصواب

جس نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا وہ پھوپھی کی تمام اولاد کے لیے سگے بھائی کی طرح ہے، اس سے پھوپھی کی کسی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذَالِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:



يحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. [2]

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

تو پھوپھی کی لڑکی اس بھتیجے کے لیے جس نے پھوپھی کا دودھ پیا ہے حرام ہے جبکہ اس کے دوسرے بھائیوں میں سے ہر ایک کا نکاح پھوپھی کی کسی بھی لڑکی سے ہو سکتا ہے، ان کے بارے میں کسی قسم کی حرمت نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر:24)

2- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشہادۃ علی الانساب والرضاع، ج:2، ص:935)

الاستفتاء

رضاعی والدہ کی اولاد سے اپنی اولاد کے نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی سگی بہن کا دودھ پیا ہوا ہے، اب وہ آدمی جوان ہو گیا ہے، اس کی شادی ہو گئی ہے، اس کی اولاد اور اس کی بہن کی اولاد کی آپس میں شادیاں ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

السائل: مولانا احمد یار قادری، ساکن: جہلم

الجواب منه الهداية والصواب

ہو سکتی ہیں۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. [1]

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



خشک پستان منہ میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ہو گی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک 55 سالہ عورت نے اپنے پوتے کے منہ میں خشک پستان ڈالا، اس میں دودھ ہے نہ پانی، اب وہ اس لڑکے کی شادی پھوپھی کی بیٹی سے کر سکتے ہیں؟ کیا وہ پھوپھی بھتیجا دودھ بھائی تو نہیں بنتے؟

السائل: محمد اسلم نوارنی، ساکن: جہلم

1- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشہادۃ علی الانساب والرضاع، ج: 2، ص: 935)

الجواب منه الهداية والصواب

جو دادی کے پستان سے نکلا ہے اس سے اگر قطعی طور پر کچھ بھی بچے کے پیٹ میں نہیں گیا تو دادی پوتا میں رضاعت کا رشتہ نہیں بنتا، دودھ پلانے والی ماں بنتی ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:



وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ.[1]

ترجمہ: اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا (وہ حرام ہوتی ہیں)۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 23)



رضاعی بھانجے سے نکاح کا حکم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا سگے خالہ زاد ہیں ،لڑکی کی والدہ فوت ہو گئی تو اس کو اس کی نانی نے دودھ پلایا اور پالا، کیا وہ خالہ زاد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

السائل: شاہد عمران، ساکن: سرگودھا

الجواب منه الهداية والصواب

نہیں کر سکتی ہے کیونکہ یہ بھی دودھ کے رشتے سے ان کی خالہ ہو گی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (1)

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ. (2)

1- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشہادۃ علی الانساب والرضاع، ج:2، ص:935)

2- (سورہ: نساء، آیت نمبر:23)

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں، اور بیٹیاں، اور بہنیں، اور پھوپھیاں، اور خالائیں۔

ہدایہ میں ہے کہ:

وَلَا تَتَزَوَّجُ الْمُرْضِعَةُ أَحَداً مِنْ وُلْدِ الَّتِي أَرْضَعَتْ لِأَنَّه أَخُوْهَا وَلَا وُلْدِ وُلْدِهَا[1]

اور دودھ پینے والی لڑکی نے جس کا دودھ پیا ہے اس کی اولاد سے نکاح نہ کرے اس لیے کہ وہ اس کے بھائی ہیں اور نہ ہی اس کی اولاد کی اولاد سے۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



دودھ شریک لڑکی کی بہنوں سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچی نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے کیا اس بچی کے علاوہ باقی بچیوں کے ساتھ پھوپھی کی اولاد کا نکاح ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: محمد شاہد عمران، ساکن: آکی

1- (ہدایہ، کتاب الرضاع، ج:2، ص:371)

الجواب منه الهداية والصواب

اس دودھ پینے والی بچی کا پھوپھی کی اولاد میں سے کسی بچے کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا اور باقی بچیوں یعنی پھوپھی کا دودھ پینے والی بچی کی دوسری بہنوں کا نکاح پھوپھی کے ہر بچے سے ہو سکتا ہے۔



قرآن کریم میں ہے کہ:

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ. (1)

ترجمہ: اور (حرام ہوئیں تم پر) تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور دودھ کی بہنیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (2)

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ. (3)

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 23)

2- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشہادۃ علی الانساب والرضاع، ج: 2، ص: 935)

3- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش

کرو۔

لہذا پھوپھی کے بچوں کے لیے ماموں کی بچیوں میں سے صرف وہ لڑکی حرام

ہے جو دودھ کے رشتے سے ان کی بہن بن گئی اور باقی سب حلال ہیں۔



فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



غلطی سے دودھ پلانے کی صورت میں حرمت رضاعت ہو گی یا نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنی بہن کے ہاں گئی، دونوں عورتیں صاحب اولاد ہیں، ایک بہن نے غلطی سے دوسری بہن کے بچے کو دودھ پلایا، یہ اندھیرے میں ہوا، بعد میں اس بات کا پتہ چلا، دونوں عورتیں بچی کے دودھ پینے کا اقرار کرتی ہیں، گزارش یہ ہے کہ اس طرح رضاعت ثابت ہو گی یا

نہیں؟ آیا اس بچی کا نکاح اپنے اس خالہ زاد بھائی سے جس کی ماں کا دودھ وہ بچی پی چکی ہے، درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: یہ کام غیر ارادی طور پر ہوا۔

برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔



السائل: محمد صادق ولد حسن دین، محلہ: عظمت پورہ، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

جس عورت نے بہن کی لڑکی کو اس کی مدت رضاعت میں دودھ پلایا اس عورت کی اولاد میں سے کسی لڑکے کا بھی نکاح اس لڑکی سے نہیں ہو سکتا، وہ لڑکی ان کی سگی ہمشیرہ کی طرح ہو چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. [1]

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشہادة على الانساب والرضاع، ج: 2، ص: 935)

الاستفتاء

دودھ شریک لڑکے کے بھائیوں سے نکاح کرنا کیسا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے لڑکے نے اپنی پھوپھی کا بچپن میں دودھ پیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ شخص کے دوسرے لڑکے کا اپنی پھوپھی کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ شرعی حکم صادر فرمائیں۔

السائل: غلام نبی، ساکن: چک شیر محمد، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

دودھ پینے والے بچے کے لیے اس کی پھوپھی کی تمام بیٹیاں حرام ہیں جبکہ دودھ دو سال اور چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے پیا ہو اور اس کے دوسرے بھائیوں کے لیے اپنی پھوپھی کی تمام بیٹیاں حلال ہیں۔

بحر الرائق میں ہے کہ:

وَلَوْ كَانَتْ أُمُّ الْبَنَاتِ أَرْضَعَتْ إِحْدَي الْبَنِينَ وَأُمُّ الْبَنِينَ أَرْضَعَتْ إِحْدَي الْبَنَاتِ لَمْ يكُنْ لِلِابْنِ الْمُرْتَضِعِ مِنْ أُمِّ الْبَنَاتِ أَنْ يتَزَوَّجَ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ وَكَانَ لِإِخْوَتِه أَنْ

يَتَزَوَّجُوْا بَنَاتِ الْأُخْرٰي اِلَّا الْاِبْنَةَ الَّتِي أَرْضَعَتْهَا أُمُّهُمْ وَحْدَهَا لِأَنَّهَا أُخْتُهُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ .[1]

اگر ایک عورت کی کئی بیٹیاں اور دوسرے کے کئی بیٹے ہیں اور ہر ایک نے دوسرے کی اولاد سے ایک بچے کو دودھ پلایا ہو تو جس لڑکے نے لڑکیوں کی ماں کا دودھ پیا ہے، اس کے لیے دودھ پلانے والی کی تمام لڑکیاں حرام ہیں کیونکہ وہ ان کا اب رضاعی بھائی ہو گیا، اور اس کے دوسرے بھائیوں کے لیے سب لڑکیاں حلال ہیں، سوائے اس ایک لڑکی کے جس نے ان کی ماں کا دودھ پیا ہو کیونکہ وہ ان کی رضاعی بہن ہوئی۔

فتاوی
بھکھی شریف

<u>فقط</u>

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

1- (البحر الرائق، کتاب الرضاع، باب: المحرمات بسبب الرضاع، ج:9، ص:68)

الاستفتاء

چھوٹے بھائی کے ساتھ دودھ شریک لڑکی کا بڑے بھائی سے نکاح کرنا کیسا ہے؟



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے چھوٹے بھائیوں نے میری چچی کا دودھ پیا ہوا ہے مگر میں نے نہیں پیا اور نہ ہی اس لڑکی نے جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس نے میری والدہ کا دودھ پیا ہے، کیا ہمارا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

برائے مہربانی ہماری دینی راہنمائی فرمائیں۔

السائل: نواب خان، منڈی بہاؤالدین

الجواب منه الهداية والصواب

ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. [1]

1- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشهادة على الانساب والرضاع، ج: 2، ص: 935)

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ .[1]

اوران کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

فقط



هذا ما عندي والله تعالى أعلم

وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم



رضاعت کی ایک صورت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فوزیہ بی بی کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور مسماۃ مسرت بی بی کا ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں ہیں، فوزیہ بی بی کی ایک بیٹی جس کا نام نادیہ ہے، نے مسرت بی بی کا دودھ پیا اور مسرت بی بی کی بیٹی جس کا صدف ہے، نے فوزیہ بی بی کا دودھ پیا۔

فوزیہ بی بی کے بیٹوں کا نکاح مسرت بی بی کی کسی بیٹی سے ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟

السائل: حافظ محمد امیر حمزہ

1- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

الجواب منه الهداية والصواب

صدف فوزیہ بی بی کے لیے حقیقی بیٹی کی طرح ہے اور اس کے بیٹوں کے لیے حقیقی بہن کی طرح ہے، اس کا نکاح فوزیہ بی بی کے کسی بیٹے سے نہیں ہو سکتا اور صدف کی بہنوں میں سے ہر ایک کا نکاح فوزیہ کے جس بیٹے سے چاہے جائز و صحیح ہے۔



نادیہ مسرت کے لیے حقیقی بیٹی کی طرح ہے اور اس کے بیٹے کے لیے حقیقی بہن کی طرح ہے، البتہ نادیہ کی بہن کا نکاح مسرت کے بیٹے سے ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (1)

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں محرمات کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ. (2)

1- (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب: الشہادۃ علی الانساب والرضاع، ج: 2، ص: 935)
2- (سورہ: نساء، آیت نمبر: 24)

اور ان کے سوا جو ہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

فقط

هذا ما عندي والله تعالى أعلم



وصلى الله تعالى على حبيبه محمد وآله وأصحابه وسلم

اعلان

غوث زماں مفتی اعظم پاکستان جلال الملت والدین

حافظ الحدیث پیر سید محمد جلال الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

کا

سالانہ عرس مبارک

زیر سرپرستی

جگر گوشہ قیوم زماں استاذ العلماء
پیر طریقت قاسم فیضان سرہند وبریلی
پیر سید مفتی
محمد نوید الحسن مشہدی
سجادہ نشین درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

ہمیشہ ماہِ نومبر کی 17,18
تاریخ کو ہوا کرے گا

سترہ تاریخ کو شروع

اور اٹھارہ تاریخ کو ختم شریف ہوگا۔ (ان شاءاللہ)

حضرت ثانی سرکار قیوم زماں استاذ العلماء

پیر سید محمد مظہر قیوم شاہ مشہدی رحمۃ اللہ علیہ

عرس

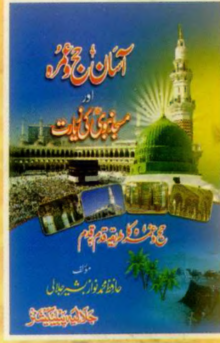
زیر سرپرستی

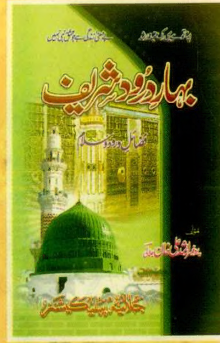
جگر گوشہ قیوم زماں استاذ العلماء
پیر طریقت قاسم فیضان سرہند وبریلی
پیر سید مفتی
محمد نوید الحسن مشہدی
سجادہ نشین درگاہ مقدسہ بھکھی شریف

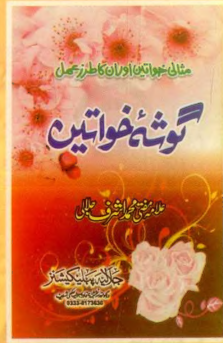
ہر سال 21 اگست صبح 9 بجے تا نماز ظہر
درگاہ مقدسہ جلالیہ بھکھی شریف
ضلع منڈی بہاؤالدین میں منعقد ہوتا ہے

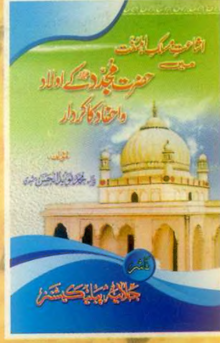
جلالیہ پبلیکیشنز

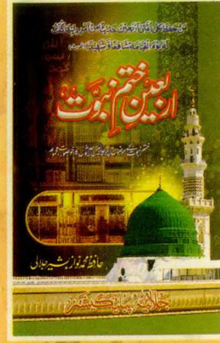
کی دیگر کتب

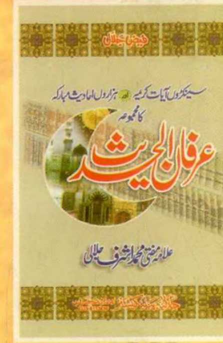


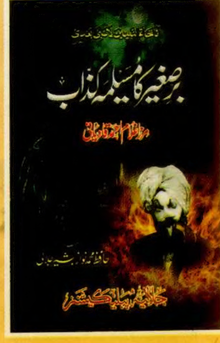


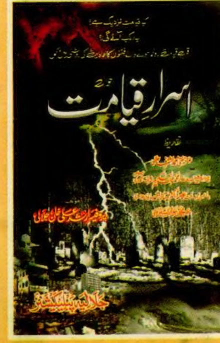


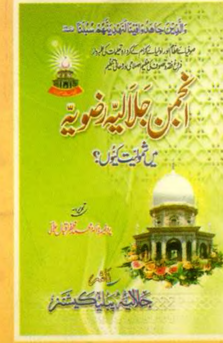




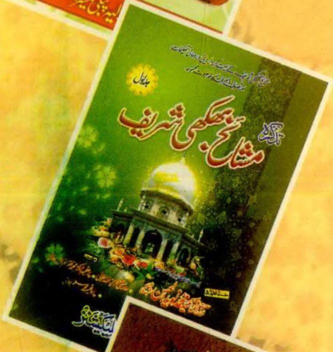


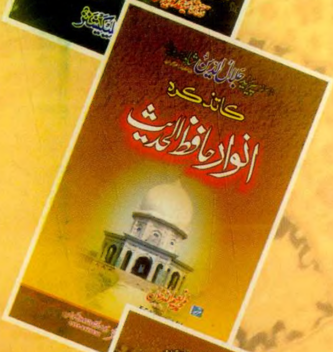




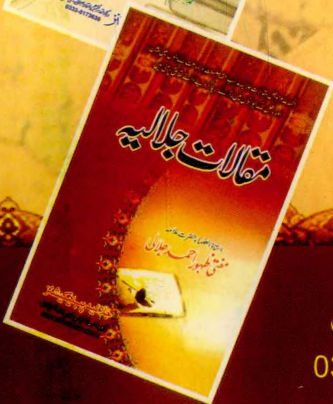












جلالیہ پبلیکیشنز درگاہ مقدسہ نقشبندیہ قادریہ جلالیہ بھکھی شریف
0333-4217708,0300-5546640